جلد ۱۲ شمارہ ۷ جولائی ۲۰۰۰ء ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ

فہرست

شذرات

قحط—مزید کام کی ضرورت	محمد بلال	۲
ٹیکس۔ایک دینی مسئلہ	محمد بلال	۵
ناموسِ رسالت اور اطاعتِ رسول	محمد بلال	۸

قرآنیات

البیان: البقرہ ۲: ۱۰۱-۱۰۳ (۱۹)	جاوید احمد غامدی	۱۲

معارف نبوی

مہلک جرائم	طالب محسن	۱۸
ایمان اور گناہ	طالب محسن	۲۴

دین و دانش

تصویر (۳)	محمد رفیع مفتی	۲۷
جہاد۔ایک تنقید کا جواب	منظور الحسن	۴۷

یسئلون

ٹیلی ویژن کے مضر اثرات۔ڈش انٹینا پر پابندی ڈش انٹینا کا تعلیمی مقاصد کے لیے استعمال۔ صحیح مسالک۔کسی کو کافر قرار دینا	جاوید احمد غامدی/ منظور الحسن	۶۳

نقطۂ نظر

''مسائل نظری میں الجھ گیا ہے خطیب''	خورشید ندیم	۶۶

خیال و خامہ

ندیم (نظم)	جاوید احمد غامدی	۶۹

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

قحط —— مزید کام کی ضرورت

پچھلے دنوں ہمارے احباب میں سے محمد انیس مفتی صاحب اور کاشف علی خان صاحب قحط زدہ لوگوں کی امداد کرنے کے لیے ژوب (بلوچستان) گئے۔ میرے استفسار پر انیس صاحب نے بتایا کہ وہاں ابھی امدادی کاموں کی ضرورت ختم نہیں ہوئی۔

دیکھنے میں آیا ہے کہ عام طور پر ایسے مواقع پر لوگوں میں خیر خواہی کے جو جذبات پیدا ہوتے ہیں ان کی مثال عام بخار کی سی ہوتی ہے جو اچانک چڑھتا ہے اور جلد ہی اتر جاتا ہے۔ اس معاملے میں اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ قحط زدہ علاقوں کے حالات تاحال پوری طرح درست نہیں ہوئے۔ اس لیے وہاں کے مصیبت زدہ لوگ اب بھی ہماری امداد کے مستحق ہیں۔

تنخواہ دار لوگوں کو اس مہینے کی تنخواہ مل چکی ہو گی۔ کاروباری لوگوں کو مزید ادائیگیاں وصول ہو چکی ہوں گی۔ لہٰذا اس مہینے میں بھی حسبِ استطاعت اپنی آمدنی میں سے کچھ حصہ آفت زدہ لوگوں کے لیے نکال لینا چاہیے۔ یہاں یہ حقیقت ذہن میں رہنی چاہیے کہ ہماری آمدنی کا یہ حصہ ہمارا نہیں ہے یہ ان آفت زدہ لوگوں کا حق ہے۔ سورۂ معارج میں ہے کہ ہمارے مالوں میں سائل اور محروم لوگوں کا ایک مقرر حق ہے۔ اس کی تفسیر میں مولانا مودودی نے لکھا ہے کہ: ”محروم سے مراد ایسا شخص ہے جو بے روزگار ہو یا روزی کمانے کی کوشش کرتا ہے مگر اس کی ضروریات پوری نہ ہوتی ہوں یا کسی حادثے یا آفت کا شکار ہو کر محتاج ہو گیا ہو یا روزی کمانے کے قابل ہی نہ ہو۔ ایسے لوگوں کے متعلق جب معلوم ہو جائے کہ وہ واقعی محروم ہیں تو ایک خدا پرست انسان اس بات کا انتظار نہیں کرتا کہ وہ اس سے مدد مانگیں بلکہ ان کی محرومی کا علم ہوتے ہی وہ خود آگے بڑھ کر ان کی مدد کرتا ہے۔“

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اسی سلسلے میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: ''جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہے گا تو خدا اس کی ضرورت پوری کرنے میں لگا رہے گا اور جو مسلمان کسی مسلمان کی مصیبت کو دور کرے گا تو اللہ قیامت کے مصائب میں سے کسی مصیبت کو اس سے دور فرمائے گا۔'' ایک دوسری روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''اللہ اپنے بندے کی مدد اس وقت تک کرتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔''

چونکہ لوگوں کی محرومی محتاجی تشنۂ تکمیل حاجات اور مصیبت کے اثرات ابھی باقی ہیں لہٰذا ظاہر ہے محرومی، محتاجی، حاجات اور مصیبت کے اثرات کو دور کرنے کا کام بھی ابھی جاری رہنا چاہیے۔

اسی طرح ڈاکٹر آغا طارق سجاد صاحب نے امدادی سامان خریدنے سے قبل اس بات کی تحقیق کی کہ قحط زدہ علاقوں میں کس قسم کا امدادی سامان لے جانا چاہیے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ مقامی لوگوں کے حالات کے مطابق اور ان کی ضروریات کے لحاظ سے امداد کی جانی چاہیے۔ لوگ وہاں ایسی چیزیں بھی لے کر پہنچ رہے ہیں یا پہنچا رہے ہیں۔ جو مقامی افراد کے حالات اور ضرورت کے مطابق نہیں ہیں۔

ظاہر ہے شہروں میں رہنے والے افراد کا کھانے پینے کی چیزوں کے بارے میں ذوق صحرا اور دیہات میں رہنے والے لوگوں سے مختلف ہوتا ہے۔ شہروں میں رہنے والے اس معاملے میں الّلے تلّلے کے بھی عادی ہوتے ہیں، جن سے دیہات کے رہنے والے بالعموم بچے ہوتے ہیں۔ مثلاً دودھ پتی کے پیکٹ وصول کرکے وہ جھنجھلا کر کہتے ہیں کہ ہم ان کا کیا کریں؟ وہ کہتے ہیں ہمیں گندم اور چاول چاہیے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس معاملے میں صرف جذبات ہی سے کام نہ لیا جائے بلکہ عقل و دانش کو بروے کار لاتے ہوئے اچھی طرح تحقیق اور منصوبہ بندی کرکے امدادی اشیا کا اہتمام کیا جائے۔

اسی طرح یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ قحط زدہ علاقوں کے وہ مقامات جہاں صورتِ حال زیادہ سنگین ہے مگر دشوار گزار راستوں کے باعث وہاں پہنچنا مشکل ہے۔ امدادی سامان لانے والے لوگ ان جگہوں پر جانے سے گریز کرتے ہیں۔ اس ضمن میں اگر مقامی لوگوں کی مدد اور رہنمائی حاصل کر لی جائے تو زیادہ مستحق لوگوں تک امدادی سامان پہنچایا جا سکتا ہے۔

یہ تو ہوئے قحط زدہ علاقوں کے مسائل کے ہنگامی حل۔ اس کے پائیدار حل یہ ہیں کہ اسباب کے اعتبار سے ضروری ہے کہ حکومت قحط زدہ علاقوں کے انفراسٹرکچر کی صورتِ حال بہتر کرے۔ وہاں پائپ لائنوں اور

ٹیوب ویلوں اور اسی طرح کی دوسری جدید مشینری کو ٹھیک طریقے سے بروے کار لائے۔ موجودہ ملکی صورتِ حال میں بڑے شہروں کی آسایشوں اور آرایشوں میں کمی کر کے ان علاقوں کے لوگوں کی بنیادی ضروریات پوری کرنے کا اہتمام کرے اور مسبب الاسباب کے پہلو سے ضروری ہے کہ ہم اپنی اجتماعی زندگی کو دین کے تقاضوں کے مطابق ڈھالیں تاکہ بحیثیت قوم تقویٰ اختیار کرنے سے فراوانی میں رزق دینے کا اللہ نے جو وعدہ کر رکھا ہے، ہم اس کے اہل بن سکیں۔

—— محمد بلال

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ٹیکس ـــــ ایک دینی مسئلہ

بی بی سی نے پاکستان میں حکومت کے ٹیکس وصول کرنے کے نئے نظام کے خلاف تاجروں کی ہڑتال پر تبصرہ اور اس کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ٹیکس کلچر کا فروغ معاشی ہی نہیں ایک نفسیاتی مسئلہ بھی ہے۔ چھوٹے اور درمیانی درجے کے اکثر تاجر حضرات کا تعلق اس طبقے سے ہے جو معمولی کاشت کار تھا۔ یہ طبقہ حساب کتاب کو پسند نہیں کرتا کیونکہ اس سے اس کے نزدیک توکل اور قناعت کے روایتی جذبے کی نفی ہوتی ہے۔ بی بی سی نے کہا کہ گزشتہ ہفتے ٹی وی پر قحط زدہ لوگوں کے لیے لاکھوں روپے جمع ہو گئے آخر اعتماد کے اس جذبے کا رخ سی بی آر کے خزانے کی طرف کیوں موڑا نہیں جا سکتا۔

ہم بی بی سی کے تجزیے میں ایک پہلو کا اضافہ کرتے ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ٹیکس کلچر کا فروغ معاشی اور نفسیاتی ہی نہیں بلکہ دینی مسئلہ بھی ہے۔

عالم کے پروردگار نے جب اپنے فرشتوں سے یہ کہا تھا کہ میں زمین پر ایک صاحبِ اختیار مخلوق بنانے کا ارادہ رکھتا ہوں تو فرشتوں نے انسان کے صاحبِ اختیار ہونے کے پہلو سے اس خدشے کا اظہار کیا تھا کہ یہ دنیا میں ظلم اور فساد برپا کرے گا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ انسان کو جب اختیار کی قوت حاصل ہوتی ہے تو وہ بالعموم حدود نا آشنا ہو جاتا اور ظلم اور زیادتی کا ارتکاب کرنا شروع کر دیتا ہے۔

انسان کو اس ظلم سے روکنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مختلف اہتمام کیے۔ ان میں سے ایک اہتمام یہ کیا کہ انسانوں کے باہمی معاملات کے بارے میں اپنا قانون نازل کیا، جس کے لیے شریعت کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس شریعت نے اختیارات کے پہلو سے طاقت ور ترین انسانوں یعنی حکمرانوں کو ظلم و زیادتی سے روکنے کے لیے ٹیکس کا قانون دیا، جسے دینی اصطلاح میں زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔ حکمران بھانت بھانت کے ٹیکس لگا کر اور ان ٹیکسوں کی شرح میں روز بروز اضافہ کر کے اپنے شہریوں پر بہت ظلم ڈھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے ذریعے سے ٹیکس کی شرح خود مقرر کر کے حکمرانوں سے یہ شرح خود مقرر کرنے کا اختیار چھین لیا۔

قرآنِ مجید میں یہ قانون ان الفاظ میں بیان ہوا:

''پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز کا اہتمام کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ تو اُن کی راہ چھوڑ دو۔'' (التوبہ ۹:۵)

یہاں ''ان کی راہ چھوڑ دو'' کے الفاظ سے یہ بات واضح ہے کہ حکمران شہریوں سے زکوٰۃ وصول کر لینے کے بعد اور کوئی ٹیکس وصول نہیں کر سکتے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی ضمن میں فرمایا:

''جب تم اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دیتے ہو تو لاریب، وہ ذمہ داری تم نے پوری کر دی جو اس معاملے میں تم پر عائد ہوتی ہے۔'' (ترمذی۔ کتاب الزکوٰۃ)

''لوگوں کے مال میں زکوٰۃ کے سوا (حکومت کا) کوئی حق قائم ہی نہیں ہوتا۔'' (ابنِ ماجہ، کتاب الزکوٰۃ)

کوئی ٹیکس وصول کرنے والا جنت میں نہ داخل ہو گا۔'' (ابوداؤد، کتاب الخراج والامارۃ والفیئ)

افسوس ہے کہ ہمارے ہاں رائج زکوٰۃ کا مفہوم صحیح نہیں ہے۔ لوگ زکوٰۃ کو غربا و مساکین کے لیے ایک خیرات ہی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حکومت کے کارکن ٹیکس کولیکٹرز کی حیثیت سے شہریوں سے زکوٰۃ وصول کیا کرتے تھے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اسی طرح زکوٰۃ کے بارے میں ایک غلط فہمی یہ بھی پائی جاتی ہے کہ زکوٰۃ صرف مال، سونا یا چاندی وغیرہ پر ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ زکوٰۃ ہر چیز پر ہے۔ صرف تین چیزیں زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں: 'ایک ذاتی استعمال کی چیزیں، دوسرے عواملِ پیداوار (Means of production)۔ اور تیسرے نصاب سے کم سرمایہ۔

اسلام کے قانونِ زکوٰۃ پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کے تین عنوانات (Heads) ہیں۔ ا۔ مواشی۔ ۲۔ مال۔ ۳۔ پیداوار۔ مواشی میں جو بھی پالتو جانور تجارتی مقاصد کے لیے رکھے گئے ہوں ان پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے۔ اس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ مال میں سونا، چاندی، پلاٹ، مکان، روپیہ، مالِ تجارت، سب شامل ہیں۔ اس پر ہر سال ڈھائی فی صد زکوٰۃ عائد ہوتی ہے۔ پیداوار ایک وسیع چیز ہے۔ اس میں زرعی اور صنعتی دونوں قسم کی پیداوار شامل ہے۔ اسی طرح اپنے فن سے مال کمانا اور مکان وغیرہ سے کرایہ وصول کرنا بھی پیداوار کے زمرے میں آتا ہے۔ پیداوار کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیے گئے قانون سے معلوم ہوتا ہے کہ پیداوار اگر مال یا محنت کے تعامل سے حاصل ہوتی ہے تو پیداوار کا پانچ فی صد زکوٰۃ کے طور پر ادا کرنا ہو گا۔ اگر پیداوار صرف مال یا صرف محنت سے حاصل ہوتی ہے تو اس کا دس فی صد زکوٰۃ کے طور پر دینا ہو گا اور اگر محنت اور مال دونوں کے بغیر کوئی چیز حاصل ہوتی ہے (مثلاً زمین سے خزانہ ملنا) تو اس پر

بیس فی صد زکوٰۃ لاگو ہو گی۔

زکوٰۃ کے مصارف کے بارے میں بھی ہمارے ہاں جو تصور پایا جاتا ہے وہ زکوٰۃ کا بہت محدود تصور ہے۔ سورۂ توبہ کی آیت ۶۰ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کی رقم غربا و مساکین ہی پر نہیں بلکہ نقصان، تاوان یا قرض کے بوجھ تلے دبے ہوئے لوگوں، جرمانے یا فدیے میں بندھے ہوئے قیدیوں، ریاست کے تمام ملازمین کی تنخواہوں، اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کے تمام کاموں مثلاً سڑکوں اور پلوں وغیرہ کی تعمیر پر بھی صرف کی جاسکتی ہے۔

بی بی سی کا کہنا ہے کہ ''عوام قحط زدہ لوگوں کے لیے لاکھوں روپے دے دیتے ہیں آخر اس جذبے کا رخ سی بی آر کی طرف کیوں نہیں موڑا جاسکتا۔'' اصل میں عوام کے قحط زدہ لوگوں کو لاکھوں روپے دینے کے پیچھے یہ جذبہ کار فرما ہوتا ہے کہ وہ ایک نیک کام کر رہے ہیں۔ اس کا انھیں اجر و ثواب حاصل ہو گا۔ اسی طرح ہمارے ملک میں اگر ٹیکس کا صحیح نظام یعنی زکوٰۃ کا نظام رائج ہو جائے تو عوام اس ضمن میں بھی رقم دیتے ہوئے یہی محسوس کریں گے کہ وہ ایک نیک کام کر رہے ہیں۔ اس کا انھیں اجر و ثواب حاصل ہو گا۔ اس کے علاوہ عوام کو حکمران کے حکم کے پیچھے اللہ اور رسول کے حکم کی قوت بھی محسوس ہو گی جس سے سی بی آر کو جو فائدہ ہو گا اس کا آسانی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

حکمرانوں کے معاملے میں عوام کے اندر بد اعتمادی کا ایک سبب اور بھی ہے۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان حکمرانوں کے لیے یہ اسوہ بھی قائم کیا ہے کہ وہ اپنا معیارِ زندگی ملک کے عام شہری کے معیارِ زندگی کی سطح پر رکھیں۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ پاکستان جیسے غریب اور مقروض ملک کے حکمرانوں کا معیار زندگی انتہائی بلند ہے۔ وہ قومی وسائل اور قرض کی رقوم کو انتہائی بے دردی سے اپنے مصارف پر خرچ کرتے ہیں۔ وہ قرض کی ادائیگی اور ملک کے دیگر مسائل حل کرنے کے لیے آئے روز نت نئے ٹیکس تو عائد کرتے رہتے ہیں، مگر اپنے اللے تللے میں کوئی کمی کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ جس کی وجہ سے ان کے اور عوام کے مابین اعتماد کا ایک سنگین بحران پیدا ہو چکا ہے۔

لہٰذا ہمارے نزدیک جب تک حکومت ٹیکس کا صحیح نظام رائج نہیں کرے گی اور صحیح معنوں میں اسوۂ رسول اختیار نہیں کرے گی، اس وقت تک حکومت اور عوام کے مابین اعتماد کی صحیح فضا پیدا نہ ہو سکے گی۔

—— محمد بلال

ناموسِ رسول اور اطاعتِ رسول

ناموسِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے میں ہمارے مذہبی رہنما اور مذہبی مزاج کے حامل لوگ بہت شدید قسم کے جذبات کا مظاہرہ کرتے ہیں مگر افسوس اور حیرت ہے کہ اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں وہ اس شدتِ احساس کا مظاہرہ نہیں کرتے جو دراصل مطلوب ہے۔

حالانکہ اس بارے میں فرمانِ الٰہی ہے:

''اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا تو اسی لیے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔''

(النساء۴:۶۷)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اس ملک کے عام شہریوں، مختلف اداروں اور برسرِ اقتدار گروہوں کی آرا اور سرگرمیوں پر سرسری نگاہ بھی ڈالیں تو اطاعتِ رسول سے گریز واضح طور پر نظر آجاتا ہے۔ بلکہ صورتِ حال اس وقت سنگین تر محسوس ہوتی ہے جب مذہبی رہنماؤں کے ہاں بھی اطاعتِ رسول سے شعوری یا غیر شعوری گریز کے عناصر دکھائی دیتے ہیں۔

ذیل کی سطور میں زیرِ بحث موضوع کے لحاظ سے ایک ایسے ''گریز'' کی نشان دہی کی جارہی ہے جو عام طور پر محسوس نہیں کیا جاتا۔

دیکھنے میں آیا ہے کہ ناموسِ رسالت کے سلسلے میں مذہبی رہنما صرف سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اپنے جذبات و احساسات کا اظہار کرتے ہیں اور دوسرے انبیاے کرام کو اس ضمن میں یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں اور یوں اپنے رویے سے دوسرے انبیاے کرام کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں (معاذ اللہ) کمتر یا غیر اہم قرار دے دیتے ہیں۔ یہ رویہ سرتاسر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تعلیمات کے منافی ہے۔ یہ رویہ دراصل ''نافرمانیِ رسول'' ہی کی ایک قسم ہے۔ کسی واجب الاطاعت شخصیت کا حکم نہ ماننا بھی درحقیقت اس کی اہانت ہی کی ایک صورت ہے۔

غور کیجیے۔ قرآن مجید میں ہے:

''کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس چیز پر ایمان لائے جو ہماری طرف اتاری گئی اور جو ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور ان کی اولاد کی طرف اتاری گئی اور اس چیز پر ایمان لائے جو موسیٰؑ و عیسیٰؑ اور نبیوں کو ان کے رب کی جانب سے ملی، ہم ان میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔ اور ہم صرف اسی کے فرماں بردار ہیں۔'' (البقرہ ۲: ۱۳۶)

اس ضمن میں مولانا امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ' (ہم ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے) کا مطلب یہ ہے کہ ہم یہود و نصاریٰ کی طرح یہ نہیں کرتے کہ ان میں سے کسی پر ایمان لائیں اور کسی پر ایمان نہ لائیں۔ اس مطلب کی وضاحت خود قرآن نے دوسری جگہ کر دی ہے۔ 'يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا'، (اور وہ چاہتے ہیں کہ تفریق کریں اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ اس کے بیچ سے کوئی راہ پیدا کریں) اس سے معلوم ہوا کہ انبیا میں سے کسی کو ماننا اور کسی کو نہ ماننا سب کے انکار کے ہم معنی ہے اور یہ صرف نبیوں اور نبیوں ہی میں تفریق نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول میں بھی تفریق ہے۔'' (تدبرِ قرآن، ج ۱، ص ۳۴۸-۳۴۹)

سورۂ بقرہ ہی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

''رسول ایمان لایا اس چیز پر جو اس پر اس کے رب کی جانب سے اتاری گئی اور مومنین ایمان لائے۔ یہ سب ایمان لائے اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر۔ ان کا اقرار ہے کہ ہم خدا کے رسولوں میں کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے۔ اور کہتے ہیں کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔'' (۲: ۲۸۵)

اس بارے میں صاحبِ ''تدبرِ قرآن'' لکھتے ہیں:

''جہاں تک اجمالی ایمان کا تعلق ہے ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیا، قرآن اور دوسری آسمانی کتابوں میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ البتہ چونکہ دوسرے انبیا اور ان کے صحفیوں کی تعلیم محفوظ نہیں رہی نیز ان صحیفوں اور ان انبیا نے خود خبر دی تھی کہ ان کی شریعت کامل نہیں ہے، کامل شریعت قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے دنیا کو ملے گی، اس وجہ سے ہم قرآن اور خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

اجمالی نہیں بلکہ تفصیلی ایمان بھی رکھتے ہیں اور اسی تفصیلی ایمان کی دعوت دنیا کو بھی دیتے ہیں۔

'لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ' اس ٹکڑے کی شرح ہم اسی سورہ کی آیت ۱۳۵ کے تحت امتِ وسط کے کلمہ کی وضاحت کرتے ہوئے کر چکے ہیں۔ البتہ اس میں یکایک اسلوب کی جو تبدیلی ہوئی ہے یعنی بات غائب کے صیغے سے نکل کر جو متکلم کے صیغے میں آگئی ہے، یہ دھیان میں رکھنے کی ہے۔ اوپر کے ٹکڑے میں بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہی گئی ہے لیکن یہ جملہ براہِ راست امت کی طرف سے اعتراف واظہار کی شکل میں نمایاں ہوا ہے۔ اس میں بلاغت کا یہ نکتہ پوشیدہ ہے کہ اوپر کے ٹکڑے میں مسلمانوں کا جو ایمان وعقیدہ بیان ہوا ہے پوری امت اس کا اقرار واظہار کرتی ہے کہ ہم اللہ کے رسولوں کے باب میں کسی تعصب میں گرفتار نہیں ہیں یہ تمام انبیا ایک ہی سلسلہ الذہب کی کڑیاں ہیں اس وجہ سے ہم یہود ونصاریٰ کی طرح یہ نہیں کرتے کہ کسی کو مانیں اور کسی کو رد کر دیں۔" (ج ۱، ص ۶۴۸-۶۴۹)

لہٰذا جب ہم تمام انبیا کو مانیں گے۔ سب پر ایمان لائیں گے۔ اس پہلو سے ان کے مابین کوئی فرق نہیں کریں گے تو ظاہر ہے ادب کے لحاظ سے بھی ہمیں ان کے درمیان کوئی فرق نہیں کرنا چاہیے۔ محبت کے اعتبار سے بھی کوئی امتیاز روا نہیں رکھنا چاہیے۔ سب انبیا پر ایمان لانے کے عقیدے کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ ادب اور محبت کی جہت سے بھی تمام انبیا کے معاملے میں یکساں جذبات واحساسات کا اظہار کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے:

"یہ رسول جو ہیں ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی، ان میں سے بعض سے اللہ نے کلام کیا اور بعض کے درجے بلند کیے اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو کھلی کھلی نشانیاں دی اور روح القدس سے اس کی تائید کی۔" (البقرہ ۲: ۲۵۳)

اس سلسلے میں سید سلیمان ندوی کہتے ہیں:

"حضراتِ انبیا کرام علیہم السلام تمام کمالاتِ نبوت و فضائلِ اخلاق سے یکساں سرفراز تھے مگر زمانہ اور ماحول کے ضروریات اور مصالح الٰہی کی بنا پر ان تمام کمالات کا علمی ظہور تمام انبیا میں یکساں نہیں ہوا۔ بلکہ بعض کے بعض کمالات اور دوسروں کے دوسرے کمالات زیادہ نمایاں ہوئے یعنی جس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے جس کمال کے اظہار کی ضرورت ہوئی وہ پوری شدت سے ظاہر ہوا۔ اور دوسرے کمال کا جس کی اس وقت ضرورت پیش نہیں آئی بہ مصلحت بہ کمال ظہور نہیں ہوا۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

حاصل یہ ہے کہ ظہور کے لیے مناسب موقع و محل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر کسی عارض کی وجہ سے کسی کمال کا ظہور نہ ہو تو اس سے نفسِ کمال کے وجود کی نفی نہیں ہوتی ہے۔ اس لیے اگر بوجہ عدم ضرورتِ حال ان انبیائے کرام کے بعض کمالات کا عملی ظہور کسی وقت میں نہیں ہوا تو اس کے یہ معنی ہر گز نہیں ہیں کہ یہ حضرات (نعوذ باللہ) ان کمالات و فضائل سے متصف نہ تھے..... حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت چونکہ آخری اور عمومی تھی اس لیے بہ ضرورتِ احوال آپ کے تمام کمالات نبوی آپ کی زندگی میں عملاً پوری طرح جلوہ گر ہوئے اور آپ کی نبوت کے آفتابِ عالمتاب کی ہر کرن دنیا کے لیے مشعلِ ہدایت بنی اور ظلمت کدۂ عالم کا ہر گوشہ آپ کے ہر قسم کے کمالات کے ظہور سے پر نور ہوا، صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ان جزئی کمالات کے اظہار میں ایسا پہلو نعوذ باللہ پیدا نہ ہونے پائے جس سے دوسرے انبیا علیہم السلام کی توہین یا کسرِ شان پیدا ہو کہ اس سے ایمان کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے۔''

(سیرت النبی ج ۱، ص ۲۰-۲۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہمیں اس ضمن میں یہ ہدایت کی ہے کہ:

''مجھے دوسروں پیغمبروں پر فضیلت نہ دو۔'' (مسلم، کتاب الفضائل)

''کسی شخص کو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ میں (حضرت) یونس بن متیٰ (علیہ السلام) سے بہتر ہوں۔''

(مسلم، کتاب الفضائل)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انبیا کی فضیلت، محبت اور ان کے ادب و احترام کے پہلو سے ہماری مذہبی دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے کس قدر گریز پایا جاتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں محبت رسول کے ساتھ ساتھ اطاعتِ رسول کی بھی توفیق عطا فرمائے۔

—— محمد بلال

البیان

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورة البقرة

(۱۸)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙۗ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾
وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ

اور (اب بھی یہی ہوا کہ) جب اللہ کی طرف سے ایک پیغمبر[۲۳۹] اِن کے پاس آگیا، اُن پیشین گوئیوں کے مطابق، جو اِن کے ہاں موجود ہیں تو یہ لوگ جنھیں کتاب دی گئی، اِن میں سے ایک گروہ نے اللہ کی (اُس) کتاب کو (اِس طرح) اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا، گویا وہ اسے جانتے ہی نہیں ہیں[۲۴۰]، اور (پیغمبر کو ضرر پہنچانے کے لیے) اُس چیز کے پیچھے لگ گئے[۲۴۱] جو سلیمان کے

۲۳۹۔ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ بعد کی صفات اور سیاق و سباق سے یہ مراد بالکل متعین ہو جاتی ہے۔

۲۴۰۔ مطلب یہ ہے کہ نبیِ آخرالزماں کے بارے میں خود اپنی ہی کتاب کی پیشین گوئیوں کو اس طرح نظر انداز کر دیا گویا ان سے واقف ہی نہیں تھے۔

الشَّیٰطِیْنَ کَفَرُوْا یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ق وَمَآ اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَکَیْنِ بِبَابِلَ
هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ط وَمَا یُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰی یَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا

زمانۂ سلطنت میں شیاطین پڑھتے پڑھاتے تھے ۲۴۲۔ (یہ اُسے سلیمان کی طرف منسوب کرتے ہیں)، دراں حالیکہ سلیمان نے کبھی کفر نہیں کیا، بلکہ شیطانوں ہی نے کفر کیا۔ وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے ۲۴۳۔ اور (اُس چیز کے پیچھے لگ گئے ۲۴۴) جو بابل میں دو فرشتوں، ہاروت وماروت پر

۲۴۱۔ یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے اور ان کی پیروی کرنے کے بجائے ان کو ضرر پہنچانے کے درپے ہوئے اور اس کے لیے اپنے ان عاملوں کے پیچھے لگے جو ان کے ہاں سفلی اور روحانی علوم کی دکانیں لگائے بیٹھے ہیں۔ قرآنِ مجید کی سورۂ فلق (۱۱۳) کے الفاظ 'مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ' میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے انھی اشرار سے بچنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو برابر اپنے پروردگار کی پناہ چاہنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

۲۴۲۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں جنوں اور انسانوں کے باہمی اختلاط کے باعث سحر و ساحری جیسے شیطانی علوم سے لوگوں کا اشتغال بہت بڑھ گیا تھا اور انسانوں میں سے جو شیاطین ان علوم سے دل چسپی رکھتے تھے، انھوں نے انھیں باقاعدہ مرتب بھی کر ڈالا تھا۔ سیدنا سلیمان کے دور حکومت سے اسی تعلق کی وجہ سے بعد کے زمانوں میں یہود اپنے ان مزخرفات کو ان سے منسوب کرنے لگے۔ چنانچہ آج بھی جو لوگ ان سفلی چیزوں سے اشتغال رکھتے ہیں، وہ بالعموم ان کے لیے حضرت سلیمان ہی کا حوالہ دیتے ہیں۔

۲۴۳۔ اصل میں 'وما کفر سلیمان' سے لے کر 'یعلمون الناس السحر' تک یہ پوری بات ایک جملۂ معترضہ ہے جو سلسلۂ کلام کے بیچ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہود کے لگائے ہوئے الزامات سے بری قرار دینے کے لیے اس طرح آگیا ہے گویا متکلم کو ان علومِ سفلیہ کی نسبت ان سے اتنی ناگوار ہے کہ اس نے اس کی تردید کے معاملے میں بات کے پورا ہو لینے کا انتظار بھی نہیں کیا۔ پھر یہ تردید بھی، اگر غور کیجیے تو ایسے اسلوب میں کی گئی ہے کہ سحر و ساحری کا کفر ہونا اس سے ایک ثابت شدہ حقیقت کے طور پر بالکل واضح ہو جاتا ہے۔

۲۴۴۔ اس سے پہلے کا جملہ، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، ایک جملۂ معترضہ ہے، لہٰذا آیت میں عطف لازماً 'ما تتلوا الشیاطین' پر ہے۔ اس عطف سے اور اس کے بعد اس علم کے لیے 'ما انزل' کے الفاظ اور اس کے فرشتوں

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

تَكْفُرْ ؕ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ

اتاری گئی تھی[۲۴۵]، دراں حالیکہ وہ دونوں اُس وقت تک کسی کو کچھ نہ سکھاتے تھے[۲۴۶]، جب تک

پر اتارے جانے اور ان کی طرف سے اس کے لیے لفظ 'فتنة' کے استعمال سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ یہ سحر و ساحری سے، جسے قرآن نے یکسر کفر قرار دیا ہے، بالکل مختلف کوئی علم تھا، لہٰذا ان لوگوں کی رائے کسی طرح صحیح نہیں ہے جو اسے جادو سمجھتے ہیں اور اس کے لیے اُن دو فرشتوں کے بارے میں، جن پر یہ نازل ہوا، ایک فضول سا قصہ بھی سناتے ہیں۔ لیکن یہ اگر جادو نہیں تھا تو سوال یہ ہے کہ پھر یہ کون سا علم تھا؟ استاذ امام امین احسن اصلاحی اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "ہمارے نزدیک اس سے مراد اشیا اور کلمات کے روحانی خواص اور تاثیرات کا وہ علم ہے جس کا رواج یہود کے صوفیوں اور پیروں میں ہوا اور جس کو انھوں نے گنڈوں، تعویذوں اور مختلف قسم کے عملیات کی شکل میں مختلف اغراض کے لیے استعمال کیا۔ مثلاً بعض امراض یا تکالیف کے ازالے کے لیے یا نظرِ بد اور جادو وغیرہ کے برے اثرات دور کرنے کے لیے یا شعبدہ بازوں وغیرہ کے فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے یا محبت اور نفرت کے اثرات ڈالنے کے لیے۔
>
> یہ علم اس اعتبار سے جادو اور نجوم وغیرہ سے بالکل مختلف تھا کہ اس میں نہ تو شرک کی کوئی ملاوٹ تھی اور نہ اس میں شیطان اور جنات کو کوئی دخل تھا، لیکن اپنے اثرات و نتائج کے پیدا کرنے میں یہ جادو ہی کی طرح زود اثر تھا۔ ممکن ہے بنی اسرائیل کو یہ علم بابل کے زمانۂ اسیری میں دو فرشتوں کے ذریعے سے اس لیے دیا گیا ہو کہ اس کے ذریعے سے بابل کی سحر و ساحری کا مقابلہ کر سکیں اور اپنی قوم کے کم علموں اور سادہ لوحوں کو جادو گروں کے رعب سے محفوظ رکھ سکیں۔ اس بات کی طرف ہمارا ذہن دو وجہ سے جاتا ہے: ایک تو اس وجہ سے کہ تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ بابل میں سحر و ساحری اور نجوم کا بڑا زور تھا۔ دوسری یہ کہ یہ بات سنت اللہ کے موافق معلوم ہوتی ہے کہ اگر کسی جگہ ایک غلط علم کا رعب اور زور ہو جس سے مفسد لوگ فائدہ اٹھا رہے ہوں تو وہاں اللہ تعالیٰ اس کے مقابلے کے لیے اہلِ ایمان کو کوئی ایسا علم عطا فرمائے جو جائز اور نافع ہو۔"
>
> (تدبرِ قرآن، ج ۱، ص ۲۸۵)

اس کے بعد انھوں نے لکھا ہے:

> "ہمارا خیال یہ ہے کہ اسی علم کے باقیات ہیں جن کو ہمارے صوفیوں اور پیروں کے ایک طبقہ نے اپنایا اور اس سے انھوں نے لوگوں کو فائدہ بھی پہنچایا، بلکہ واقعات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض حالات میں اس کی

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

بِضَآرِّیْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَیَتَعَلَّمُوْنَ مَا یَضُرُّهُمْ وَلَا یَنْفَعُهُمْ ؕ

اُسے بتا نہ دیتے کہ ہم تمھاری آزمایش[247] ہیں، اس لیے تم اِس کفر میں نہ پڑو[248]۔ پھر بھی یہ اُن سے وہ علم سیکھتے تھے جس سے میاں اور بیوی میں جدائی ڈال دیں[249]، اور حقیقت یہ تھی کہ اللہ کی

مدد سے انھوں نے جوگیوں اور جوتشیوں وغیرہ کے مقابل میں اسلام اور مسلمان کی برتری بھی ثابت کی، لیکن اخلاقی زوال کے بعد جس طرح یہود کے ہاں یہ علم علومِ سفلیہ کا ایک ضمیمہ اور دکان داری کا ایک ذریعہ بن کے رہ گیا، اسی طرح ہمارے یہاں بھی یہ صرف پیری مریدی کی دکان چلانے کا ذریعہ بن کر رہ گیا اور حق سے زیادہ اس میں باطل کے اجزا شامل ہو گئے جس کے سبب سے لوگوں پر اس کے اثرات بھی وہی پڑے جو قرآن نے بیان فرمائے۔" (ج ۱، ص ۲۸۶)

۲۴۵۔ 'وما کفر سلیمان' والے جملے کی طرح 'وما یعلمٰن من احد' سے 'فلا تکفر' تک یہ جملہ بھی آیت میں ایک جملۂ معترضہ ہے جو ہاروت و ماروت کی بریت کے لیے وارد ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس تنبیہ کے بغیر کہ ہمارے اس علم کو برے مقاصد کے لیے استعمال کر کے تم لوگ کفر میں نہ پڑ جانا، وہ کسی پر اپنے علم کا انکشاف نہیں کرتے تھے۔

۲۴۶۔ اس سکھانے کی نوعیت اگرچہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ فرشتے انسانی روپ میں لوگوں کو تعلیم دیتے رہے ہوں، لیکن غالب امکان اسی بات کا ہے کہ لوگ کسی خاص قسم کی ریاضت اور چلہ کشی کے ذریعے سے ان کے ساتھ کوئی روحانی قسم کا ربط پیدا کر کے یہ علم ان سے سیکھ لیتے تھے۔

۲۴۷۔ اصل میں لفظ 'فتنة' استعمال ہوا ہے۔ اس کے معنی امتحان اور آزمایش کے ہیں۔ قرآن میں اس سے بالعموم وہ چیزیں مراد لی گئی ہیں جو اصلاً انسان کے فائدے ہی کے لیے پیدا کی گئی ہیں، لیکن انسان اپنے استعمال کی غلطی سے انھیں اپنے لیے فتنہ بنا لیتا ہے۔ ہاروت و ماروت کی طرف سے اپنے علم کے لیے اس لفظ کا استعمال دلیل ہے کہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے یہ علم کوئی بری چیز نہ تھا۔

۲۴۸۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارا یہ علم ایک دو دھاری تلوار کی حیثیت رکھتا ہے۔ زیادہ امکان یہی ہے کہ تم لوگ اسے سیکھ کر برے مقاصد کے لیے استعمال کرو گے اور اس طرح کفر و شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

۲۴۹۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہود اخلاقی فساد، پست ہمتی اور دناءت میں کہاں تک گر چکے تھے۔ فرشتوں کی تنبیہ کے باوجود، قرآن بتاتا ہے کہ اُن کی سب سے زیادہ رغبت اُن اعمال سے تھی جو میاں بیوی کے

وَلَقَدۡ عَلِمُوۡا لَمَنِ اشۡتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِی الۡاٰخِرَةِ مِنۡ خَلَاقٍ ؕ وَلَبِئۡسَ مَا شَرَوۡا بِهٖۤ اَنۡفُسَهُمۡ ؕ لَوۡ کَانُوۡا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۰۲﴾

اجازت کے بغیر یہ اُس سے کسی کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکتے تھے[250]۔ (یہ اِس بات کو جانتے تھے) اور (اِس کے باوجود) وہ چیزیں سیکھتے تھے جو اِنھیں کوئی نفع نہیں دیتی تھیں، بلکہ نقصان پہنچاتی تھیں[251]، دراں حالیکہ اِنھیں معلوم تھا کہ جو اِن چیزوں کا خریدار ہوا، اُس کے لیے پھر آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے[252]۔ کیا ہی بری ہے وہ چیز جس کے بدلے میں اِنھوں نے اپنی جانیں بیچ دیں۔ اے کاش، یہ جانتے ۱۰۱-۱۰۲

رشتۂ محبت کے لیے مقراض بن جائیں، دراں حالیکہ یہی رشتہ ہے جس کے استحکام پر پورے انسانی تمدن کے استحکام کی بنیاد ہے۔

۲۵۰۔ یہ جملہ بھی بطورِ استدراک ہے اور اس سے توحید پر ایمان کا یہ تقاضا واضح ہوتا ہے کہ بندۂ مومن کو اولاً، اس طرح کی چیزوں سے رغبت ہی نہیں رکھنی چاہیے۔ ثانیاً، ان میں سے کسی چیز سے واسطہ پڑے تو اسے موثر بالذات نہیں سمجھنا چاہیے۔ ثالثاً، ان سے ضرر کا اندیشہ ہو تو صرف اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ تعویذ گنڈوں اور ان کے ماہر عاملوں اور سیانوں کے چکر میں نہیں پھنسنا چاہیے، اس لیے کہ شیطانی علوم ہوں یا روحانی، ان سے اللہ کے اذن کے بغیر کسی کو کوئی نفع یا ضرر نہیں پہنچایا جا سکتا۔

۲۵۱۔ یعنی ان کی ذہنیت اس قدر پست ہو چکی تھی کہ ایک علم جس سے نفع و نقصان، دونوں پہنچ سکتے تھے، یہ اسے دوسروں کو صرف نقصان پہنچانے کے لیے استعمال کرتے تھے۔

۲۵۲۔ یہود اس بات سے اچھی طرح واقف تھے، اس لیے کہ تورات میں انھیں نہایت واضح الفاظ میں اس طرح کے فتنوں میں پڑنے سے روکا گیا تھا۔ استثنا باب ۱۸ میں ہے:

> ”جب تو اس ملک میں جو خداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہے، پہنچ جائے تو وہاں کی قوموں کی طرح مکروہ کام کرنے نہ سیکھنا۔ تجھ میں ہر گز کوئی ایسا نہ ہو جو اپنے بیٹے یا بیٹی کو آگ میں چلوائے یا فال گیر یا شگون نکالنے والا یا افسوں گر یا جادوگر یا منتری یا جنات کا آشنا یا رمال یا ساحر ہو، کیوں کہ وہ سب جو ایسے کام کرتے ہیں، خدا کے نزدیک مکروہ ہیں اور انھی مکروہات کے سبب سے خداوند تیرا خدا تیرے سامنے سے اُن کو نکالنے پر ہے۔“ (۹-۱۲)

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ط لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع

اور اگر یہ ایمان اور تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ کے ہاں جو صلہ اِنھیں ملتا، وہ اِن کے لیے کہیں بہتر تھا۔ اے کاش، یہ سمجھتے[۲۵۳]۔ ۱۰۳

۲۵۳۔ یعنی پیغمبر کو ضرر پہنچانے کے لیے ان علوم کے ماہرین کی اتباع کرنے کے بجائے اگر یہ پیغمبر پر ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو یہ اندازہ نہیں کر سکتے کہ اِس کا کیا اجر و ثواب انھیں اللہ تعالیٰ کے ہاں ملتا۔

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

طالب محسن

مہلک جرائم

(مشکوٰۃ المصابیح، حدیث: ۵۲-۵۳)

و عن أبی ہریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: اجتنبوا السبع الموبقات. قالوا: یا رسول اللّٰہ، و ما ہن؟ قال: الشرک باللّٰہ، والسحر، و قتل النفس التی حرم اللّٰہ الا بالحق، و أکل الربا، و أکل مال الیتیم، و التولی یوم الزحف، و قذف المحصنات المؤمنات الغافلات.

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات ہلاکت میں ڈالنے والے امور سے بچو۔ (لوگوں نے) پوچھا: یارسول اللہ، یہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک، جادو، کسی کو قتل کرنا جسے اللہ نے قانونی سزا کے سوا قتل کرنا حرام ٹھیرایا ہے، سود کھانا، مٹھ بھیڑ کے دن فرار اور بھولی بھالی، پاک دامن، مومنہ عورتوں پر تہمت لگانا۔''

لغوی مباحث

الموبقات: 'موبق'، 'وبق'، 'یبق' سے اسم ظرف ہے۔ یعنی وہ جگہ جہاں ہلاکت پیش آتی ہو۔

السحر: وہ علم جس کے ذریعے سے شیاطین کی مدد حاصل کی جاتی ہے یا کلمات کی تاثیر سے لوگوں کی نفسیات کو متاثر کیا جاتا ہے۔

إلا بالحق: مگر حق کے ساتھ، اس سے وہ قانونی ضابطہ مراد ہے جو قرآنِ مجید میں حدود کے حوالے سے بیان ہوا ہے۔ قرآنِ مجید کے مطابق حکومت صرف دو جرائم کے ثابت ہو جانے کے بعد کسی شخص کو زندگی سے محروم کر سکتی ہے۔ ایک قتل کا جرم ہے اور دوسرا فساد فی الارض کا جرم۔

التولی: پیچھے ہٹ جانا، واپس مڑ جانا۔ یہ 'ولی' سے باب تفاعل میں مصدر ہے۔

قذف: 'قذف' کے لغوی معنی پھینکنے کے ہیں۔ اسی سے یہ کسی پر کسی چیز کو چسپاں کرنے کے معنی میں آتا ہے اور محاورے میں الزام یا تہمت لگانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے

المحصنات: 'محصنات' کا لفظ 'حصن' سے ہے۔ اس کے معنی محفوظ ہونے کے ہیں۔ 'محصن' کا لفظ اسی سے باب افعال میں اسم مفعول ہے۔ یہ تین معنی میں آتا ہے۔ ایک شادی شدہ ہونے کے معنی میں، دوسرے پاک دامن ہونے کے معنی میں اور تیسرے آزاد ہونے کے معنی میں۔ یہاں اس سے دوسرے معنی یعنی پاک دامن ہونا مراد ہے۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

الغافلات: 'غفلة' بے شعوری، بے خبری اور عدم واقفیت کے معنی میں آتا ہے۔ یہ جس طرح ان منفی معانی کے لیے مستعمل ہے اسی طرح مثبت معنی کے لیے بھی آتا ہے۔ اردو میں اس کے لیے معصوم اور بھولے بھالے کے الفاظ بولے جاتے ہیں۔ یہاں یہ عورتوں کے لیے اسی معنی میں بولا گیا ہے۔

متون

بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، دارمی اور احمد رحمہم اللہ نے اس روایت کو لیا ہے۔ لیکن ان کی سند ایک ہی ہے، فرق صرف صاحبِ تصنیف کے شیخ کی حد تک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس روایت کے متون میں کوئی اہم فرق نہیں ہے۔ بعض معمولی تبدیلیاں ہیں۔ مثلاً 'قالوا' کی جگہ 'قیل' اور 'ما ھن' کے بجائے 'ماھی' کے الفاظ آئے ہیں اور ان سے معنی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ اسی طرح ایک روایت میں زیرِ بحث متن کے برعکس 'أکل الربا'، 'أکل مال الیتم' کے بعد آیا ہے۔ ظاہر ہے یہ فرق بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ البتہ بخاری کی ایک روایت اسی سند سے ہے، لیکن اس میں روایت بہت مختصر ہو گئی ہے۔ روایت کے الفاظ ہیں: 'اجتنبوا الموبقات: الشرک باللہ والسحر' قیاس یہی ہے کہ یہ کسی موقع کی مناسبت سے گفتگو کے

دوران میں کی گئی تبدیلی ہے۔ ایک امکان یہ ہے کہ خود بخاری ہی نے اس باب کی مناسبت سے پوری روایت درج کرنے کے بجائے ضروری حصہ نقل کر دیا ہے۔ بہر حال یہ اصل روایت نہیں ہے۔ اسی طرح ایک روایت میں 'السحر' کے بجائے 'الشح' کا لفظ آیا ہے۔ اس کے معنی بخل کے ہیں، لیکن یہ فرق بھی ناقابل قبول ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب روایت کا یہ متن بھی اسی سند سے جس سے زیرِ بحث روایت مروی ہے اور اس کے ایک کے سوا تمام متون میں 'السحر' ہی ہے تو یہ ایک متن کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ ابوداؤد نے یہ روایت بیان کرنے کے بعد ایک دوسری روایت کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس میں بیان ہوا ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کبائر کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: یہ نو ہیں اور ان سات پر عقوق الوالدین اور بیت اللہ کی حرمت پامال کرنے کا اضافہ کیا۔ کبیرہ گناہوں کا ذکر اور روایتوں میں بھی ہے اور ان میں ان کے علاوہ چوری، زنا، ہجرت سے گریز، جھوٹی گواہی، جھوٹی قسم، الجماعۃ سے انحراف کا بھی ذکر ہوا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ بیان کیا گیا کہ کبیرہ گناہ سات ہیں تو انھوں نے فرمایا نہیں ان کی تعداد ستتر سے بھی زیادہ ہے۔ ان تمام روایات کو سامنے رکھیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس روایت میں سات کا لفظ مخاطب کی رعایت سے آیا ہے۔ یعنی حضور کے پیشِ نظر اس موقع کے مخاطب یا مخاطبین کو انھی سات امور پر متنبہ کرنا تھا۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

معنی

ہم اوپر یہ بات بیان کر چکے ہیں کہ سات کا ذکر مخاطب کی مناسبت سے ہے۔ اسے احاطے کے معنی میں نہیں لیا جا سکتا۔ چنانچہ کبیرہ گناہوں کا علم پیشِ نظر ہو یا ان گناہوں کا جو انسان کی ہلاکت کا باعث بن سکتے ہیں ہمیں قرآنِ مجید اور دوسری روایات کو بھی سامنے رکھنا چاہیے۔ قرآنِ مجید سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی ایک غلطی پر اصرار بھی اسی طرح ہلاکت آفرین ہے جس طرح کوئی بڑا گناہ اخروی تباہی کا باعث بن سکتا ہے۔

اس روایت کے آغاز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلوبِ بیان اور وعظ میں مخاطب کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرنے کے ایک انداز کا پتا چلتا ہے۔ آپ نے پہلے ایک مجمل جملہ بولا ہے۔ فرمایا: سات ہلاکت خیز امور سے بچو۔ جملہ توضیح طلب تھا۔ آپ نے خود توضیح نہیں کی۔ بلکہ مخاطبین کی طرف سے سوال کے بعد وضاحت کی۔ اس سے مقصود اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ آپ کے سننے والے بات کو پوری توجہ سے سنیں اور اسے یاد بھی رکھیں۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مربی کی حیثیت کا بڑا خوب صورت اظہار ہے۔

ان مہلکات میں سب سے پہلے آپ نے اللہ کے ساتھ شرک کا ذکر کیا ہے۔ اس سے پہلے حدیث: ۴۹ میں

اسے اللہ کے نزدیک سب سے بڑے جرم کی حیثیت سے بیان کیا گیا۔ علاوہ ازیں متعدد روایات میں اس جرم کی شناعت بیان ہو چکی ہے۔ یہ تمام روایات در حقیقت قرآنِ مجید کی اس آیت کا بیان ہیں جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کا گناہ معاف نہیں کریں گے۔ باقی تمام گناہوں میں معافی ملنے کا امکان ہے۔ قرآنِ مجید کی اس وعید کو پیشِ نظر رکھیں تو اس جرم کی ہلاکت خیزی سے بچنا سب سے زیادہ ضروری ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ اس کی ہلاکت خیزی کو ٹالنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔

دوسری چیز جادو ہے۔ جادو کو قرآنِ مجید میں کفر قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ..... "اور سلیمان نے کفر نہیں کیا بلکہ ان شیاطین نے کفر کیا جو لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔"

(البقرہ ۲: ۱۰۲)

مولانا امین احسن اصلاحی اس اسلوب کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"یہاں اسلوبِ بیان سے متعلق دو باتیں ذہن میں رکھنے کی ہیں۔ ایک تو اس جملہء معترضہ کی بلاغت کہ اس کو پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ متکلم کو ان علومِ سفلیہ کی نسبت حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف اتنی ناگوار ہے کہ اس کی تردید کے معاملے میں اس نے اتنا توقف بھی نہیں کیا کہ بات پوری ہو لے۔ بلکہ سلسلہء کلام کو روک کر فوراً اس کی تردید ضروری سمجھی۔ دوسری یہ کہ یہ تردید ایسے اسلوب سے شروع کی ہے جس سے یہ بات آپ سے آپ نکلتی ہے کہ سحر کا کفر ہونا ایک ایسی واضح حقیقت ہے کہ اس کو ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" (تدبرِ قرآن، ج ۱، ص ۲۸۳)

ظاہر ہے، جو چیز پروردگارِ عالم کے نزدیک کفر ہے، اس کے ہلاکت آفرین ہونے کے بارے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ اس حدیث کے بعض شارحین کو سحر کو علی الاطلاق کفر قرار دینے میں تردد ہوا ہے۔ اس تردد کا باعث غالباً یہ ہے کہ ساحر حضرات شعبدہ بازی اور علمِ کیمیا کو بھی سحر ہی کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ ظاہر ہے، یہ دونوں چیزیں کفر نہیں ہے۔ اس روایت میں صرف وہی سحر زیرِ بحث ہے جس میں شیاطین سے ربط و تعلق پیدا کیا جاتا یا کلمات کی تاثیر کے علم کو منفی مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ سورۂ بقرہ کے محولہ مقام پر ہاروت و ماروت کے سکھائے ہوئے علم کا بھی ذکر ہوا ہے۔ وہ بھی سکھانے سے پہلے یہ تنبیہ کر دیتے تھے کہ ہم ایک آزمایش ہیں چنانچہ کفر میں نہ پڑو۔

تیسری چیز قتلِ نفس ہے۔اس جرم کی شناعت بھی متعدد روایات میں زیرِ بحث آچکی ہے۔ ہم یہ بات بیان کر چکے ہیں کہ قرآنِ مجید کے نزدیک قتل ان گناہوں میں سے ہے، جن کی سزا ابدی جہنم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ جرم جتنا اخروی اعتبار سے ہلاکت خیز ہے، ہم آج اس کے کرنے میں اتنے ہی جری ہیں۔ روایت میں واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ صرف عدالت کا کام ہے کہ وہ قاتل کو قصاص میں یا فساد فی الارض کے مجرم کو سزاے موت دے۔ کسی شخص کو انفرادی حیثیت سے یہ کام کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ خواہ اس کے نزدیک کوئی شخص کتنا ہی موت کا حق دار کیوں نہ ہو۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو دنیا کی عدالتوں ہی میں نہیں، قیامت کی عدالت میں بھی قاتل ہی کی حیثیت سے پیش ہو گا۔

چوتھی چیز سود ہے۔ سود خدا کے بھیجے ہوئے دین میں ہمیشہ سے حرام رہا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ریاست قائم کی تو اس کی حرمت کو ریاست کی سطح پر نافذ کر دیا اور قرآنِ مجید میں بتا دیا گیا کہ اس کے مجرمین کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔ سود ایک معاشرتی جرم ہے۔ اس کی تباہ کاریوں کا اندازہ کرنے کے لیے ہم اپنے ملک ہی کا جائزہ لیں تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ کس طرح آبادی کی عظیم اکثریت کا خون چوستا اور چند خاندانوں میں قومی دولت کے ارتکاز کا باعث بنتا ہے۔ سود خوری انسان کے اخلاقی وجود کو گھن کی طرح کھا جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید نے اسے صریح الفاظ میں حرام قرار دیا ہے اور ریاست کی سطح پر اس کے ارتکاب کو قابلِ گرفت جرم ٹھیرایا ہے۔ یہاں یہ بات واضح رہے کہ اس معاملے میں اصل جرم سود لینا ہے۔ سود دینے والا اسی صورت میں قصوروار ٹھہرتا ہے جب ریاست کی سطح پر سودی لین دین کی ممانعت کر دی گئی ہو۔ سود کی شناعت کا ایک پہلو یہ ہے کہ وہ سوسائٹی میں استحصالی نظام کا آلہ ء کار ہے۔ لیکن اس کی حرمت کا اصل پہلو یہ ہے کہ یہ تزکیۂ نفس کے عمل کو مجروح کرتا ہے۔ اور ایک بندۂ مومن کے لیے جنت کا مطلوب انسان بننے میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔

پانچویں چیز یتیم کا مال کھانا ہے۔ اصل جرم حق دار کا حق چھیننا ہے۔ یہ جرم اس وقت اور بھی قبیح ہو جاتا ہے جب یہ ظلم اس شخص کے خلاف کیا جائے جو اپنے حق کا دفاع کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو۔ عام طور پر یہ جرم کرنے والے غریبوں، بیواؤں اور یتیموں ہی کے اموال پر تعدی کرتے ہیں۔ یتیم ان میں اپنے کمزور، بے بس اور لاچار ہونے کی سب سے نمایاں مثال ہے۔ اسی لیے یہاں اسی کے حوالے سے اسے ہلاکت آفرین جرائم میں بیان کیا گیا ہے۔ قرآنِ مجید میں اس جرم کا انجام جہنم بیان ہوا ہے۔ سورۂ نساء میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا.(۴:۱۰)

”جو لوگ ظلم و ناانصافی سے یتیموں کے مال ہڑپ کر رہے ہیں وہ تو بس اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور وہ دوزخ کی بھڑکتی آگ میں پڑیں گے۔“

چھٹی چیز میدانِ جنگ سے فرار ہے۔ یہ درحقیقت ایمان کے اس تقاضے سے انحراف ہے جو دین کے قبول کرنے کے بعد اس کی نصرت کے تحت ایک بندۂ مومن کے سامنے آتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جتنی بھی جنگیں ہوئی ہیں ان کا تعلق دین کی حفاظت یا قانونِ رسالت کے نفاذ کے لیے میدان جنگ میں اترنے سے ہے۔ چنانچہ ان سے انحراف درحقیقت اپنے ایمان کی نفی ہے۔

ساتویں چیز کسی پاک دامن عورت پر بدکاری کی تہمت لگانا ہے۔ اس میں بھی اصل جرم کسی بے گناہ پر جھوٹا الزام لگانا ہے۔ خواہ یہ کوئی مرد ہو یا عورت اور خواہ یہ کوئی چھوٹا ہو یا بڑا۔ لیکن اس روایت میں ذکر صرف پاک دامن مومنہ کا ہوا ہے۔ یہ بھی وہی اسلوب ہے جو یتیم کے معاملے میں اختیار کیا گیا ہے۔ عورت ایک ضعیف صنف ہے اور اس پر لگا ہوا الزام اس کی زندگی کے لیے سنگین نتائج پیدا کرتا ہے۔ اسی پہلو کے پیشِ نظر یہاں اسی کا تذکرہ ہوا ہے۔ ورنہ الزام لگانا اپنی ہر صورت میں ایک بڑا گناہ ہے۔ عورت کے معاملے میں اس کی شناعت بہت بڑھ جاتی ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کتابیات

بخاری، کتاب الوصایا، باب ۲۳۔ بخاری، کتاب الطب، باب ۱۵۔ بخاری، کتاب الحدود، باب ۴۵۔ مسلم، کتاب الایمان، باب ۳۸۔ نسائی، کتاب الوصایا، باب ۱۲۔ ابوداؤد، کتاب الوصایا، باب ۱۰۔

طالب محسن

ایمان اور گناہ

و عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: لا يزنی حين يزنی و هو مؤمن. و لا يسرق حين يسرق و هو مؤمن. و لا يشرب الخمر حين يشربها و هو مؤمن. و لا ينتهب نهبة يرفع الناس إليه فيها أبصارهم حين ينتهبها وهو مؤمن. ولا يغل أحدكم حين يغل وهو مؤمن. فإياكم إياكم.

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

''حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زانی زنا نہیں کرتا اس طرح کہ جب وہ زنا کر رہا ہوتا ہے تو اس وقت مومن ہو۔ چور چوری نہیں کرتا اس طرح کہ جب وہ چوری کر رہا ہوتا ہے اس وقت مومن ہو۔ نہ غنیمت کے مال کو اچکتا ہے اس طرح کے لوگوں کی نگاہیں اس کی طرف لگی ہوئی ہوں اور وہ اچک لے اور وہ مومن بھی ہو۔ اور نہ تم میں سے کوئی خیانت کرتا ہے اس طرح کہ جب وہ خیانت کر رہا ہو وہ مومن ہو۔ چنانچہ (ان کاموں کے انجام سے) بچو، (ان کاموں کے انجام سے) بچو۔''

لغوی مباحث

ینتھب: 'انتھب'، 'ینتھب' کا مطلب مال غنیمت لوٹنا۔ یہاں اس سے مراد تقسیم سے پہلے اس کو ہتھیا

لینا ہے۔

يرفع الناس إليه فيها أبصارهم: لفظی مطلب ہے: 'لوگ اس مالِ غنیمت کے معاملے میں اس کی طرف نگاہ اٹھائے ہوئے ہوں۔' یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ وہ چیز جسے حاصل کرنے کی تمنا ہر دل میں ہو لیکن وہ اس پر زبردستی قابض ہو رہا ہو۔

يغل: 'غل'، 'يغل' کا مطلب ہے: خیانت کرنا، دھوکا دینا۔ یہ لفظ دل میں کینہ رکھنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ لیکن یہاں پہلا مفہوم ہی قرینِ قیاس لگتا ہے۔

فإياكم إياكم: یہ 'اسم الفعل' ہے۔ یہ 'اپنے تئیں بچاؤ' کے معنی میں آتا ہے۔ یہاں تکرار سے تنبیہ و تاکید پیشِ نظر ہے۔

متون

کتبِ حدیث میں اس روایت کے مختلف اسناد سے متعدد متون نقل ہوئے ہیں۔ کسی میں جملوں کی ترتیب مختلف ہے۔ کسی میں جملے مختصر ہیں۔ اکثر روایات میں یہ سارے جملے روایت نہیں ہوئے۔ کسی میں کوئی ایک جز نہیں ہے تو دوسری روایت میں دوسرا جز نہیں ہے۔ زیادہ تر 'نهبة'، 'غل' اور 'فإياكم' والا جملہ روایت نہیں ہوا۔ وہ روایات جن میں آخری جملہ روایت نہیں ہوا ہے ان میں سے بعض میں اس کی جگہ پر 'والتوبة معروضة بعد' (اور توبہ کا موقع بعد میں ہے۔) یا 'فإذا فعل ذلك خلع ربقة الاسلام من عنقه فإن تاب تاب الله عليه' (جب وہ یہ کرتا ہے تو اس کی گردن سے اسلام کا قلادہ اتر جاتا ہے۔ پھر جب وہ توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتے ہیں)۔ یا 'إنه ينتزع منه الايمان فإن تاب تاب الله عليه' (بات یوں ہے کہ اس سے ایمان چھین لیا جاتا ہے۔ پھر جب وہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتے ہیں) کا جملہ روایت ہوا ہے۔ بہر حال سب سے جامع متن وہی ہے جسے صاحبِ مشکوٰۃ نے منتخب کیا ہے۔ باقی رہے توبہ کے مضمون کے حامل جملے تو یہ آپ کی اس گفتگو کے بعد سوال کے جواب میں کہے گئے معلوم ہوتے ہیں۔ یا کسی راوی کی اس روایت کی توضیح ہے جو بعض روایات میں بیان ہو گئی ہے۔

معنی

شارحین نے اس روایت کی مختلف توجیہات کی ہیں۔ بعض کے نزدیک اس سے کمالِ ایمان کی نفی کی گئی ہے

۔ بعض کی رائے میں ایمان اطاعت و انقیاد کا نام ہے اور گناہ اس کیفیت کی نفی کر دیتا ہے۔ بعض اس کی توضیح اس روایت کی روشنی میں کرتے ہیں جس میں بیان ہوا ہے کہ جب مسلمان کوئی گناہ کر رہا ہوتا ہے تو ایمان اس سے نکل کر اس کے اوپر چھتری کی طرح موجود رہتا ہے۔ اور بعض کے خیال میں اس سے محض زجر و توبیخ مقصود ہے ۔ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب کوئی بندہء مومن گناہ کرتا ہے تو ایمان اس سے چھین لیا جاتا ہے اور جب وہ توبہ کرتا ہے تو اسے لوٹا دیا جاتا ہے۔ اگر بنظر تامل دیکھیں تو یہ ایک ہی بات کے مختلف پہلو ہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی صاحبِ ایمان کسی گناہ کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ اپنے ایمان کو فراموش کر چکا ہوتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کے وجود اور اپنی شریعت کے احکام کے حوالے سے ایک شدید غفلت طاری ہوتی ہے۔ اگر اس بات کو تشبیہ کے اسلوب میں بیان کیا جائے تو یہ ایک بندۂ مؤمن کی باطنی ناپاکی کی حالت ہے۔ ظاہر ہے یہ چیز ایک مومن کے لیے کسی طرح بھی پسندیدہ نہیں ہو سکتی۔

کتابیات

بخاری، کتاب المظالم والغصب، باب ۳۰۔ کتاب الاشربۃ، باب ۱۔ کتاب الحدود، باب ۲۰،۱۔ مسلم، کتاب الایمان، باب ۲۴۔ نسائی، کتاب قطع السارق، باب ۱۔ کتاب الاشربۃ، باب ۴۳۔ ابوداؤد، کتاب السنۃ، باب ۱۶۔ ابنِ ماجہ، کتاب الفتن، باب ۳۔ دارمی، کتاب الاضاحی، باب ۲۳۔ کتاب الاشربۃ، باب ۱۱۔ احمد، مسند ابی ہریرۃ۔ حدیث عبداللہ بن ابی اوفی۔ حدیث سیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہم۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

محمد رفیع مفتی

تصویر

—— ۳ ——

احادیث کی رہنمائی

تماثیل کے حوالے سے احادیث کے ذخیرے کو دیکھیں، تو ہمیں اُس میں چھ مختلف نوعیتوں کی احادیث ملتی ہیں۔ ایک نوعیت وہ ہے، جس میں تماثیل یا مصورین کے بارے میں اجمالاً کوئی بات کی گئی ہے۔ یہ احادیث درجِ ذیل ہیں۔

۱۔ عَنْ وهب بن عبدالله قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيه وَسَلَّمَ لَعَنَ الْمُصَوِّرَ. (بخاری، من لعن المصور)

''وہب ابن عبداللہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تصاویر بنانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔''

۲۔ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا اشْتَرَتْ نُمْرُقَةً فِيهَا تَصَاوِيرُ.فَلَمَّا رَآهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَامَ عَلَى الْبَابِ، فَلَمْ يَدْخُلْ فَعَرَفْتُ أَوْ فَعُرِفَتْ فِي وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَةُ فَقَالَت يَا رَسُولَ الله، أَتُوبُ إِلَى اللّٰهِ وَإِلَى رَسُولِهِ، فَمَاذَا أَذْنَبْتُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

''عائشہ سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک غالیچہ (گدا) خریدا، اُس میں تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (گھر میں داخل ہوتے ہوئے) اُسے دیکھا، تو آپ دروازے ہی پر رُک گئے اور گھر میں داخل نہیں ہوئے، تو میں نے جان لیا یا یوں کہیں کہ آپ کے چہرے سے ناگواری ٹپکی پڑتی تھی (میں کیسے نہ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا بَالُ هَذِهِ النُّمْرُقَة فَقَالَت اشْتَرَيْتُهَا لَكَ تَقْعُدُ عَلَيْهَا تَوَسَّدُهَا. فَقَالَ: رسولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَصْحَابَ هَذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُونَ، وَيُقَالُ لَهُمْ أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ. ثُمَّ قَالَ: إِنَّ الْبَيْتَ الَّذِي فِيهِ الصُّوَرُ لَا تَدْخُلُهُ الْمَلَائِكَةُ. (مسلم، اللباس والزینۃ، تحریم تصویر)

جان لیتی)۔ چنانچہ انہوں (عائشہ رضی اللہ عنہا) نے کہا اے اللہ کے رسول! میں اللہ اور اس کے رسول کی جناب میں توبہ کرتی ہوں، میں نے کیا غلطی کی ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: یہ گدا کیسا ہے؟ انھوں نے کہا: میں نے یہ آپ کے لیے خریدا ہے تاکہ آپ اس پر بیٹھیں اور اس پر ٹیک لگائیں۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان تصویروں والوں کو عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ جو کچھ تم نے تخلیق کیا ہے اسے زندہ کرو۔ پھر آپ نے فرمایا: جس گھر میں تصاویر ہوں اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔''

۳۔قال عبداللّٰه سمعت النبي ﷺ يقول ان أشد الناس عذاباً يوم القيامة المصورون. (بخاری، اللباس، عذاب المصورین)

''عبداللہ کہتے ہیں میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، بے شک قیامت کے دن شدید ترین عذاب میں گرفتار ہونے والے مصور (تصاویر) ہوں گے۔''

۴۔قال ابن عباس سمعت محمدا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يقول من صور صورة في الدنيا كلّف يوم القيامة أن ينفخ فيها الروح و ليس بنافخ.

(بخاری، اللباس، من صور صورۃ)

''ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے محمد ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے دنیا میں کوئی تصویر بنائی اسے قیامت کے دن مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس میں روح پھونکے اور وہ اس میں روح پھونک نہ سکے گا۔''

۵۔عن عبداللّٰه ابن عمر رضي اللّٰه عنهما أن رسول اللّٰه صلي اللّٰه عليه وسلم قال إن الذين يصنعون هذه الصور

''عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک وہ لوگ جو یہ تصاویر بناتے ہیں، قیامت کے دن عذاب

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

يعذبون يوم القيامة يقال لهم أحيوا ما خلقتم.(بخاری، اللباس، عذاب المصورین)

دیے جائیں گے، اُن سے کہا جائے گا کہ جو تم نے بنایا ہے اُسے زندہ کرو۔‘‘

اِن احادیث سے تصاویر اور مصورین کے بارے میں درجِ ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

۱۔ مصور (تصویر اور مجسمہ بنانے والا) ملعون ہے۔

۲۔ مصورین کو قیامت کے دن شدید ترین عذاب دیا جائے گا۔

۳۔ مصورین سے یہ تقاضا کیا جائے گا کہ وہ اپنی تصاویر میں روح پھونکیں اور انھیں زندہ کریں، لیکن وہ ایسا نہ کر سکیں گے۔

۴۔ جس گھر میں تصاویر ہوں اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

درجِ بالا احادیث سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ دین میں کسی بھی قسم کی تصاویر کے لیے کوئی گنجایش نہیں اور نہ کسی نوعیت کے تصاویر بنانے والے مصورین ہی کے لیے اسلام میں کوئی جگہ ہے۔ مصور خواہ کسی بھی تصویر کا ہو اور تصویر خواہ کسی بھی شے (جان دار یا بے جان) کی ہو، بہر حال مصور جہنمی اور تصویر حرام ہے۔ اس بات کو اگر انھی لفظوں میں مان لیا جائے، تو اس کے نتیجے میں درجِ ذیل باتوں کو ماننا پڑتا ہے۔

۱۔ قرآن اور حدیث میں تضاد پایا جاتا ہے۔ (جیسا کہ پیچھے سلیمان علیہ السلام کے حوالے سے یہ بات زیرِ بحث آچکی ہے۔)

۲۔ خود احادیث کے اپنے مابین بھی تضاد ہے۔ (جیسا کہ آگے آنے والی بعض احادیث سے معلوم ہو گا کہ وہی تصاویر حرام ہیں، جن میں روح ہو۔)

۳۔ تصویر کی حلت و حرمت کے حوالے سے فقہا کا مختلف تصاویر میں فرق کرنا بالکل غلط تھا۔ یعنی فقہا کی یہ بات غلط ہے کہ کچھ تصاویر حرام اور کچھ تصاویر حلال ہیں۔ اگر مسئلے کو محض اِنھی احادیث کی روشنی میں دیکھا جائے، تو اُن کا یہ فرق کرنا بالکل غلط تھا۔

۴۔ ہر نوعیت کی تصاویر کی یکسر حرمت کا یہ تصور بتاتا ہے کہ اسلام جو کہ دینِ فطرت ہے، وہ فنونِ لطیفہ کے بارے میں بالکل منفی رویہ رکھتا ہے، حالانکہ اِن (فنونِ لطیفہ) کی بنیاد انسان کی اپنی فطرت میں ہے۔

اِن درجِ بالا باتوں میں سے بعض کو تو کسی صورت میں بھی ماننا ممکن نہیں اور بعض کو ماننا بہت دشوار ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اصل بات جاننے کے لیے باقی احادیث کو بھی دیکھنا ہو گا، تاکہ ہم مجموعی احادیث پر

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

غور کر کے صحیح موقف جان سکیں۔

چنانچہ ہم احادیث کے ذخیرے پر دوبارہ نظر ڈالتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اُس میں ایک اور نوعیت کی احادیث بھی موجود ہیں۔اِن احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تصاویر کی اپنی ساخت ہی کی بعض ایسی قسمیں ہیں، جو ممنوع نہیں۔اِسی طرح ممنوع تصاویر والی شےکے محل کی بھی بعض ایسی صورتیں ہیں، جن صورتوں میں اُن تصاویر کی موجودگی سے بھی اُس شے کا استعمال ممنوع قرار نہیں پاتا۔یہ احادیث درجِ ذیل ہیں:

قال أَبو طَلْحَةَ.أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ صُورَةٌ. قَالَ بُسْرٌ، فَمَرِضَ زَيْدُ بْنُ خَالِدٍ فَعُدْنَاهُ، فَإِذَا نَحْنُ فِي بَيْتِهِ بِسِتْرٍ فِيهِ تَصَاوِيرُ فَقُلْتُ لِعُبَيْدِ اللّٰهِ الْخَوْلَانِيِّ أَلَمْ يُحَدِّثْنَا فِي التَّصَاوِيرِ فَقَالَ إِنَّهُ قَالَ إِلّا رَقْمٌ[۴] فِي ثَوْبٍ، أَلَا سَمِعْتَهُ؟ قُلْتُ لَا، قَالَ بَلَى، قَدْ ذَكَرَهُ. (بخاری، بدءالخلق، اذ قال احدکم)

''ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، فرشتے اس گھر میں نہیں جاتے جس میں کوئی تصویر ہو۔بُسر کہتے ہیں، پھر ایک موقع پر جب زید بن خالد بیمار ہوئے، تو ہم ان کی عیادت کو گئے۔تو اُن کے گھر میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک پردہ ہے، جس پر تصاویر بنی ہوئی ہیں۔ میں نے عبید اللہ خولانی سے پوچھا، کیا انھوں نے ہم سے تصاویر کی حرمت بیان نہیں کی تھی۔انھوں نے کہا کہ انھوں نے یہ بھی تو کہا تھا کہ سوائے اِس کے کہ کسی کپڑے پر کوئی نقش بنا ہو۔کیا تم نے یہ بات نہیں سنی تھی، میں نے کہا: نہیں۔انھوں کہا کیوں نہیں، انھوں نے یقیناً یہ الفاظ کہے تھے۔''

عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى أَبِي طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيِّ يَعُودُهُ قَالَ فَوَجَدَ عِنْدَهُ سَهْلَ بْنَ حُنَيْفٍ فَدَعَا أَبُو طَلْحَةَ

''حضرت عبید اللہ سے روایت ہے کہ وہ ابو طلحہ انصاری کے پاس ان کی عیادت کے لیے آئے، تو ان کے پاس سہل بن حنیف کو بھی بیٹھے ہوئے پایا،

۴۔'رقم فی ثوب' کی وضاحت میں عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کے مصنف لکھتے ہیں۔'اصل الرقم الكتابة، و الصورة غير الرقم'، یعنی رقم کی حقیقت کتابت ہے اور تصویر غیرِ کتابت ہوتی ہے۔ چنانچہ ' رقم فی ثوب' سے مراد جیسا کہ ابن الاثیر کہتے ہیں 'النقش و الوشم' (نقش و نگار) ہے۔

إِنْسَانًا فَنَزَعَ نَمَطًا مِنْ تَحْتِهِ فَقَالَ لَهُ سَهْلُ بْنُ حُنَيْفٍ لِمَ تَنْزِعُهُ قَالَ لِأَنَّ فِيهِ تَصَاوِيرَ وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا مَا قَدْ عَلِمْتَ فَقَالَ سَهْلٌ أَلَمْ يَقُلْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا مَا كَانَ رَقْمًا فِي ثَوْبٍ قَالَ بَلَى وَلَكِنَّهُ أَطْيَبُ لِنَفْسِي.

(مالک۔ کتاب الجامع، الصور والتماثیل)

اس اثنا میں ابو طلحہ نے کسی آدمی کو بلایا اور اپنے نیچے سے گدا نکالنے کو کہا اور اس نے وہ گدا نکال دیا۔ تو سہل بن حنیف نے ان سے کہا کہ آپ نے اسے اپنے نیچے سے کیوں نکالا ہے، انھوں نے کہا: اس لیے کہ اس میں تصاویر ہیں اور آپ کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں کیا فرمایا ہے۔ سہل نے کہا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ سوائے اس کے کہ کسی کپڑے پر کوئی نقش بنا ہو۔ ابو طلحہ کہتے ہیں کیوں نہیں بات ایسے ہی ہے، لیکن میں اپنے لیے یہ زیادہ بہتر سمجھتا ہوں (کہ ایسی مرقوم تصاویر کے استعمال سے بھی گریز ہی کروں۔)

أبوهريره رفعه في التماثيل رخص فيما كان يوطأ وكره ما كان منصوباً.

(جمع الفوائد)

”ابو ہریرہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرفوعاً بیان کرتے ہیں کہ جو تصاویر محل اہانت میں پامال ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اجازت دی ہے اور جو کھڑی ہوں وہ ناجائز ہیں۔“

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّهَا كَانَتْ اتَّخَذَتْ عَلَى سَهْوَةٍ لَهَا سِتْرًا فِيهِ تَمَاثِيلُ فَهَتَكَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاتَّخَذَتْ مِنْهُ نُمْرُقَتَيْنِ فَكَانَتَا فِي الْبَيْتِ يَجْلِسُ عَلَيْهِمَا. (بخاری، المظالم والغصب)

”عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے اپنے گھر کے ایک طاقچے پر ایک ایسا پردہ لٹکا دیا تھا، جس پر تصاویر بنی ہوئی تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دیکھا تو اس کو پھاڑ دیا۔ (عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ) پھر انھوں نے اس کے دو تکیے بنا لیے۔ وہ دونوں تکیے گھر میں رہے، اس حال میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پر بیٹھا کرتے تھے۔“

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اِن احادیث سے درجِ ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:

۱۔ اگر کسی کپڑے پر ممنوع تصاویر نقش و نگار کی صورت میں بنی ہوں، یعنی اُس کی تصاویر اپنی ساخت کے اعتبار سے اصلاً، تصاویر کے ضمن میں نہیں، بلکہ نقش و نگار کے ضمن میں آتی ہوں، جیسے مثلاً مختلف اشیا کے خاکے بنائے جاتے ہیں، تو ایسی خاکوں اور نقش و نگار کے طرز کی تصاویر اگرچہ بجائے خود ممنوع بھی ہوں تو ان کی وجہ سے اُس کپڑے کا استعمال ممنوع قرار نہیں پاتا۔ یعنی ممنوع تصاویر کی یہ ساخت کہ وہ خاکوں یا نقش و نگار کی صورت میں ہیں، ان کی اپنی حرمت کو ختم نہیں کرتی۔ لٰہذا، ممنوع تصاویر کو خاکوں اور نقش و نگار کے طرز پر بنانا بھی بجائے خود تو جائز نہیں ہے، لیکن بہر حال یہ خاکے اور نقش و نگار کی نوعیت کی ممنوع تصاویر جن اشیا پر ہوں یہ ان اشیا کے استعمال کو ممنوع نہیں بناتیں[۵]۔

۲۔ اُس کپڑے یا اُس شے کا استعمال بھی ممنوع نہیں ہے، جس پر اگرچہ ناجائز تصاویر بنی ہوں، لیکن وہ کپڑا یا شے محلِ اہانت میں ہو، یعنی اُس پر بیٹھا جاتا ہو یا وہ قدموں تلے روندی جاتی ہو۔

چنانچہ ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ ممنوع تصاویر کی اپنی ساخت ہی کی بعض صورتیں ایسی ہیں جن کا بجائے خود بنانا یا بنوانا تو ممنوع ہی ہوتا ہے لیکن اس نوعیت یا اس ساخت کی تصاویر اگر کسی شے پر موجود ہوں تو اس کا استعمال ممنوع نہیں ہوتا۔ اور دوسری بات یہ کہ اگر کوئی ممنوع تصویر والی شے محلِ اہانت میں ہو تو اس شے کا استعمال بھی ممنوع نہیں ہوتا۔

احادیث کے پہلے گروپ سے یہ اجمالی بات ہمارے سامنے آئی تھی کہ مصور (تصویر بنانے والا) ملعون ہے اور قیامت کے دن اس کو شدید عذاب ہو گا۔ اس سے یہ تاثر ملتا تھا کہ ہر تصویر بنانا اور ہر تصویر والی شے کو استعمال میں لانا ناجائز ہے۔ احادیث کے اس گروپ سے ہمیں ایک یہ بات پتا چلی کہ جس شے پر ممنوع تصویر نقش و نگار یا خاکے کی صورت میں بنی ہو اس شے کو استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ اور دوسری یہ بات پتا چلی کہ ممنوع تصویر والی شے اگر محلِ اہانت میں ہو تو اس کو بھی استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔

چنانچہ ان احادیث سے اصلاً یہ بات ہمارے سامنے آتی ہے کہ اسلام میں تصویر کا ممنوع ہونا کسی علت ہی کی بنا پر ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ممنوع تصاویر والی اشیا کا استعمال بھی بعض صورتوں میں ممنوع نہیں ہوتا۔ اگر

۵۔ یہاں نقش و نگار یا خاکوں کی نوعیت کی جو تصاویر زیر بحث ہیں یہ اگر فی نفسہٖ ممنوع تصاویر نہ ہوتیں تو صحابہ کرام کے ہاں ان تصاویر والی اشیا کے استعمال کی حرمت کا خیال بھی پیدا نہ ہوتا۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

تصویر محض تصویر ہونے کی حیثیت سے ممنوع ہوتی تو اسے ہر صورت اور ہر محل میں ممنوع ہونا چاہیے تھا لیکن یہ احادیث بتاتی ہیں کہ ایسا نہیں ہے۔ پس اس کی وجہ یہی ہے کہ اسلام میں تصاویر کو کسی علت ہی کی بنا پر ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ جوں ہی کسی خاص صورت میں وہ علت زائل یا مجروح ہو جاتی ہے تو تصویر والی شے کے استعمال کی حرمت بھی زائل ہو جاتی ہے۔

لیکن ان سب احادیث سے بھی یہ بات ہمارے سامنے نہیں آتی کہ وہ کون سی واضح اور متعین نوعیت کی تصاویر ہیں جو اسلام میں ممنوع ہیں اور وہ کیا علت ہے جس کی بنا پر یہ ممانعت ہے؟

اب ہم پہلے یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ واضح اور متعین نوعیت کی کون سی تصاویر ہیں جنھیں براہِ راست خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ممنوع قرار دیا ہے۔ پھر اس کے بعد ہم ان شاءاللہ ان تصاویر کی ممانعت کی علت کو دریافت کرنے کی کوشش کریں گے۔

چنانچہ ممانعت کے حوالے سے واضح اور متعین تصاویر کی تلاش میں اب ہم ایک دفعہ پھر احادیث کے ذخیرے کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس دفعہ ہمارے سامنے درج ذیل احادیث آتی ہیں:

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

عن عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يَتْرُكُ فِي بَيْتِهِ شَيْئًا،فِيهِ تَصَالِيبُ إِلا نَقَضَهُ.

(بخاری، اللباس، نقض الصورۃ)

”عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر میں ہر اُس چیز کو جس پر صلیب بنی ہوتی، ضرور توڑ دیتے۔“

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ وَأُمَّ سَلَمَةَ ذَكَرَتَا، كَنِيسَة رَأَيْنَهَا بِالْحَبَشَةِ فِيهَا تَصَاوِيرُ، لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أُولَئِكِ إِذَا كَانَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ، فَمَاتَ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا وَصَوَّرُوا فِيهِ تِلْكِ الصُّوَرَ أُولَئِكِ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

”عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک کنیسہ کا ذکر کیا، جسے انھوں نے حبشہ میں دیکھا تھا، اس میں تصاویر تھیں۔ تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اِن (عیسائیوں) میں جب کوئی نیک آدمی مر جاتا، تو اُس کی قبر پر مسجد بنا دیتے اور اُس مسجد میں یہ تصاویر بناتے تھے۔ قیامت کے دن یہ لوگ اللہ

(مسلم، المساجد و مواضع الصلاۃ)

کے ہاں بدترین مخلوق شمار ہوں گے۔''

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَيْتَ فَوَجَدَ فِيهِ صُورَةَ إِبْرَاهِيمَ وَصُورَةَ مَرْيَمَ فَقَالَ أَمَا لَهُمْ فَقَدْ سَمِعُوا أَنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ صُورَةٌ. هَذَا إِبْرَاهِيمُ مُصَوَّرٌ فَمَا لَهُ يَسْتَقْسِمُ.

(بخاری، احادیث الانبیا)

''ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (فتح مکہ کے روز) بیت اللہ میں داخل ہوئے، تو آپ نے اُس میں ابراہیم علیہ السلام اور مریم علیہا السلام کے مجسمے دیکھے۔ آپ نے فرمایا اِنہیں (قریش کو) کیا ہوا، اِنھوں نے تو یہ سن رکھا تھا کہ فرشتے اُس گھر میں نہیں جاتے، جس میں کوئی مجسمہ یا تصویر ہو۔ (دیکھو) یہ ابراہیم علیہ السلام کا مجسمہ بنایا گیا ہے، (اِن کے ہاتھ میں اُنھوں نے پانسے کے تیر پکڑا دیے)، وہ بھلا فال کھولا کرتے تھے۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ أَبَى أَنْ يَدْخُلَ الْبَيْتَ وَفِيهِ الْآلِهَةُ فَأَمَرَ بِهَا فَأُخْرِجَتْ فَأَخْرَجُوا صُورَةَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ.....

(بخاری، الحج، من کبر فی نواحی الکعبۃ)

''ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب (مکہ) آئے، تو انھوں نے بیت اللہ میں معبودانِ باطل کی موجودگی میں، داخل ہونا گوارا نہیں کیا۔ چنانچہ آپ نے اُنھیں نکالنے کا حکم دیا، وہ نکالے گئے۔ لوگوں نے اُن میں موجود ابراہیم علیہ السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام کا مجسمہ بھی نکالا....۔''

عن ابن عباس انّ النبي صلى الله عليه وسلم لما رأى الصور في البيت لم يدخل حتى أمر بهافمحيت.....

(بخاری، احادیث الانبیا، قول اللہ تعالیٰ)

''ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (فتح مکہ کے موقع پر) جب بیت اللہ میں تصاویر دیکھیں، تو آپ اس میں داخل نہیں ہوئے یہاں تک کہ وہ آپ کے حکم سے مٹا دی گئیں۔''

عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ قَالَتْ لَمَّا اطْمَأَنَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ طَافَ عَلَى بَعِيرٍ يَسْتَلِمُ الرُّكْنَ بِمِحْجَنٍ بِيَدِهِ ثُمَّ دَخَلَ الْكَعْبَةَ فَوَجَدَ فِيهَا حَمَامَةَ عَيْدَانٍ فَكَسَرَهَا ثُمَّ قَامَ عَلَى بَابِ الْكَعْبَةِ فرمَى بِهَا وَأَنَا أَنْظُرُهُ.

(ابنِ ماجہ، المناسک، من استلم الرکن)

''صفیہ بنت شیبہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے دن جب ذرا پُرسکون ہوئے، تو آپ نے اونٹ پر سوار ہو کر حجر اسود کا اُس لکڑی سے استلام کیا، جو آپ کے ہاتھ میں تھی۔ پھر آپ کعبہ میں داخل ہوئے، آپ نے وہاں لکڑی کی ایک کبوتری پائی، تو آپ نے اسے توڑ پھوڑ دیا اور پھر آپ کعبے کے دروازے پر کھڑے ہوئے اور اسے پھینک دیا اور میں اُس وقت آپ (کے اِس سارے عمل) کو دیکھ رہی تھی۔''

احادیث کے اِس گروپ سے درجِ ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر اُس شے کو توڑ پھوڑ دیتے تھے، جس پر صلیب کی تصویر بنی ہوتی، یعنی اُس شے کو استعمال میں لانا آپ کو ہر گز گوارا نہ تھا۔

۲۔ عیسائی اپنے صالحین کی قبروں پر عبادت گاہیں بنایا کرتے تھے۔ اور اُن عبادت گاہوں میں اپنے اِن صالحین کی تصاویر رکھا کرتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِن عیسائیوں کے بارے میں ہمیں یہ بتایا ہے کہ یہ قیامت کے دن اللہ کے ہاں اپنے اِس عمل کی بنا پر بدترین مخلوق قرار پائیں گے۔

۳۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاتح کی حیثیت سے جب مکہ میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ میں معبودانِ باطل کی تصاویر اور اُن کے مجسمے دیکھے۔ اُن میں ابراہیم علیہ السلام، اسمٰعیل علیہ السلام اور مریم علیہا السلام کے مجسمے بھی رکھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس صورتِ حال میں بیت اللہ میں داخل ہونا بالکل گوارا نہ کیا۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اِن معبودانِ باطل کے مجسمے نکال دیے گئے اور اِن کی تصاویر مٹا دی گئیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں داخل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن مجسموں اور اِن تصاویر کو دیکھ کر یہ کہا کہ قریش کے اِن لوگوں کو کیا ہوا ہے، انھوں نے تو یہ سن رکھا تھا کہ فرشتے اُس گھر میں داخل نہیں ہوتے، جس میں کوئی مجسمہ یا تصویر ہو۔

۴۔ کعبہ میں جو مختلف بت رکھے ہوئے تھے، اُن کے ساتھ لکڑی کی بنی ہوئی ایک کبوتری بھی تھی، آپ

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

ﷺ نے اُسے بھی اُسی طرح توڑ پھوڑ دیا، جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بت توڑے تھے یا جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم صلیب کی تصویر والی اشیا کو توڑ پھوڑ دیتے تھے۔

اس سے پہلے احادیث کے جن گروپوں کا ہم نے مطالعہ کیا ہے، اُن میں تصاویر یا تماثیل کے الفاظ اجمالاً استعمال کیے گئے تھے۔ اُن احادیث سے اُن (تصاویر و تماثیل) کا واضح مصداق ہمارے سامنے نہیں آتا تھا۔ لیکن اس گروپ میں بیان کردہ احادیث میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ اجمال تفصیل میں ڈھل گیا ہے۔

اِس تفصیل سے جو اہم بات ہمارے سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ ہم نبی ﷺ کو صرف اُنھی تماثیل کے بارے میں وعید سناتے، اُنھی تصاویر کو مٹاتے اور اُنھی مجسموں کو توڑتے ہوئے دیکھتے ہیں، جو سب کیسب عین مظہرِ شرک ہیں۔ چنانچہ آپ دیکھیے کہ صلیب کے بارے میں نبی ﷺ کا رویہ کتنا سخت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں جس کپڑے پر صلیب کا نشان دیکھتے ہیں، اُسے پھاڑ دیتے ہیں، جس شے پر صلیب کا نشان بنا ہوا پاتے ہیں، اسے توڑ دیتے ہیں۔ یہ صلیب عیسائیوں کے نزدیک اُن کے عقیدے کا ایک مقدس نشان تھا۔ یہ اُس صلیب کی یادگار تھی، جس پر عیسائی روایت کے مطابق، خدا کے اکلوتے بیٹے کو آدم کے بہت سے بیٹوں نے مل کر سُولی دی اور خدا کا بیٹا اپنے ماننے والوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کرتے ہوئے، اپنے آسمانی باپ کے پاس چلا گیا۔ صلیب اِس پورے مشرکانہ عقیدے کی ایک نمایاں علامت تھی، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکانہ عقیدے کی اس علامت کو بالکل گوارا نہیں کیا۔

اِس کے بعد آپ یہ دیکھیے کہ جب نبی ﷺ کے سامنے کنیسہ میں موجود تصاویر کا ذکر کیا گیا، تو آپ نے یہ بتایا کہ یہ تصاویر صالحین کی قبروں پر بنائی جانے والی عبادت گاہوں میں رکھی جاتی تھیں۔ اِن تصاویر کے بارے میں عیسائیوں کے عقائد سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے اور ہمارے جلیل القدر اسلاف نے بھی ان کے بارے میں یہی بات بیان کی ہے کہ عیسائی ان تصاویر اور مجسموں سے برکت حاصل کرتے اور شفاعت حاصل کرتے تھے، ان تصاویر میں عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہا السلام کی تصاویر اور ان کے مجسمے بھی ہوتے تھے، جو ان کے نزدیک الوہیت کا درجہ رکھتے تھے۔

بیت اللہ میں موجود تماثیل کے حوالے سے آپ دیکھیں۔ فتح مکہ کے بعد جب اقتدار آپ کے ہاتھ میں آ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے پاس تشریف لے گئے، لیکن اُس میں داخل نہیں ہوئے۔ کیوں؟ اِس وجہ سے کہ اُس میں لکڑی اور پتھر کی وہ تصاویر و تماثیل تھیں، جنہیں 'آلھة' (خدا) قرار دیا جاتا اور پوجا جاتا تھا۔

عقیدۂ شرک کے مطابق یہ خدا اللہ تعالیٰ کے شریک تھے۔ مشرکینِ عرب سے آپ ﷺ کا سارا اختلاف یہی تو تھا کہ اِن خداؤں کی پرستش کا کوئی جواز نہیں۔ اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ پر غلبہ دے دیا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس میں اِن بتوں کی موجودگی کو گوارا کیسے کر سکتے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ میں اُس وقت تک قدم نہیں رکھا جب تک اِن معبودانِ باطل کو اُس میں سے نکلوا نہیں لیا، یا انھیں وہاں سے مٹا نہیں دیا گیا، حتیٰ کہ کبوتری کا وہ مجسمہ، جو اِن معبودانِ باطل کے ساتھ بیت اللہ میں دیکھا گیا، اُسے بھی آپ نے اُسی طرح توڑ پھوڑ دیا، جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم صلیب کی تصویر والی اشیا کو توڑ پھوڑ دیتے تھے۔ ظاہر ہے کبوتری کا یہ مجسمہ بیت اللہ میں کسی 'Decoration Piece' کے طور پر نہیں، بلکہ باطل خداؤں کی منڈلی میں عبادت ہی کی غرض سے رکھا گیا تھا۔

اس گروپ کی احادیث ہمیں یہ واضح طور پر بتا دیتی ہیں کہ نبی ﷺ نے مجمل الفاظ میں جن تصاویر و تماثیل کی شناعت بیان کی تھی اور جنھیں بنانے والے مصورین کو ملعون قرار دیا تھا، اُن کا مصداق کیا تھا۔ آپ ﷺ نے اُن احادیث میں موجود اجمال کی خود اپنے عمل سے تفصیل کر دی ہے۔ چنانچہ وہ واضح اور متعین نوعیت کی تصاویر یا مجسمے جنھیں نبی ﷺ برداشت کرنے کو ہرگز تیار نہ ہوئے، وہ وہی ہیں، جن کے بارے میں وہاں اُلوہیت کے تصورات پائے جاتے تھے اور جو ان کے ہاں شرک کا مظہر تھیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

احادیث میں موجود اجمال کی، احادیث ہی کے ذریعے سے، اِس تفصیل کو جاننے کے بعد، اب ہم پھر روایاتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذخیرے کی طرف آتے اور یہ دیکھتے ہیں کہ آیا نبی ﷺ نے خود تصاویر کی حرمت کی کوئی علت بھی بیان کی ہے؟

عَنْ أَبِي زُرْعَةَ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ فِي دَارِ مَرْوَانَ، فَرَأَى فِيهَا تَصَاوِيرَ فَقَالَ:سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ، قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ خَلْقًا كَخَلْقِي، فَلْيَخْلُقُوا ذَرَّةً أَوْ لِيَخْلُقُوا حَبَّةً أَوْ لِيَخْلُقُوا شَعِيرَةً.

”ابو زرعہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں، میں ابو ہریرہ کے ساتھ مروان کے گھر میں داخل ہوا۔ اُنھوں نے وہاں تصاویر دیکھیں، تو کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہو گا، جو میرے تخلیق کرنے (مخلوقات بنانے) کی طرح، تخلیق کرنے (مخلوقات بنانے)

(مسلم، اللباس والزینتہ، تحریم تصویر)

نکل کھڑا ہوا۔ (ایسی جسارت کرنے والوں کو چاہیے کہ) وہ ایک ذرہ تو تخلیق کر کے دکھائیں یا ایک دانہ یا ایک جو ہی تخلیق کر کے دکھادیں۔"

اس مضمون کی کئی احادیث ہیں، تکرار سے گریز کرتے ہوئے، ہم نے ایک ہی بنیادی حدیث بیان کی ہے۔ اِس حدیث میں تصویر کی حرمت کی اصل علت بیان کی گئی ہے۔ فقہا اور علما سبھی اِس پر متفق ہیں کہ تصویر کی حرمت کی اصل علت یہی ہے، جو اِس میں بیان ہوئی ہے۔ اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اِس حدیث سے ہمیں تصاویر کی حرمت کی کیا علت معلوم ہوتی ہے۔

اِس حدیث کا اگر تجزیہ کیا جائے، تو اِس میں تین باتیں بیان ہوئی ہیں۔

پہلی یہ کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مروان کے گھر میں تصاویر دیکھیں تو اُنھوں نے اُن پر تنقید کرتے ہوئے، تصاویر کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کا ایک قول بیان کیا۔

دوسری بات تصویر بنانے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا تبصرہ ہے، یعنی یہ کہ اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہے، جو میرے یعنی خدا کے تخلیق کرنے کی طرح تخلیق کرنے چل پڑا۔

اور تیسری بات وہ چیلنج ہے، جو مصوروں یعنی خدا کی طرح تخلیق کی جسارت کرنے والوں کے سامنے رکھا گیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ تم خدا کے تخلیق کرنے کی طرح تخلیق کرنے (تصویر بنانے) تو چل پڑے ہو، لیکن یہ تو بتاؤ کہ وہ کام جو خاص خدا کے کرنے کے کام ہیں، وہ کوئی اور کر سکتا ہے؟ اچھا اگر تمھیں ایسا ہی زُعم ہے کہ تم کر سکتے ہو، تو ہماری چند چھوٹی چھوٹی تخلیقات جیسی تخلیقات ہی کر کے دکھادو، یعنی مٹی کا ایک ذرہ یا گندم کا ایک دانہ یا جو کا ایک دانہ ہی تخلیق کر کے دکھادو۔

حدیث کے اس تجزیے سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تصویر بنانے کی بات کر رہا ہے، جسے بنانا حقیقت میں اُس کی تخلیقات جیسی تخلیق کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ اِس صورت میں تو یقیناً آدمی اپنے اندر خدا کی صفتِ تخلیق، جیسی صفت ہی کا اظہار کرتا ہے۔

اِس حدیث میں خدا جس تصویر کی بات کر رہا ہے، وہ (خدا کی بنائی ہوئی) کسی شے کی ہیئت اور اُس کی شکل کو کسی کاغذ وغیرہ پر 'Draw' کر لینا نہیں ہے یا وہ کسی مصور کا اپنے برش اور رنگوں کی مدد سے کینوس پر یا دیوار پر چند آڑی ترچھی لکیریں کھینچ کر اُن میں کچھ رنگ بھر دینا نہیں ہے، بلکہ وہ اپنی حقیقت میں خدا کی تخلیق کی

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

نوعیت کی ایک تخلیق کرنا ہے۔ یہ تصویر سازی دراصل، خدا کی نقالی کرنا ہے، نہ کہ خدا کی بنائی ہوئی اشیا کی ہیئت کی نقالی کرنا۔ یہ خدا کی بنائی ہوئی مکمل اشیا کے مقابل میں کوئی مکمل شے بنانا ہے۔ یہ خدا کی بنائی ہوئی اشیا کی نقل کرتے ہوئے، اُن کا مجسمہ بنا لینا یا اُن کی تصویر بنا لینا نہیں ہے۔ خدا مجسمے اور تصویریں نہیں بناتا، یہ چیزیں تو اپنی حقیقت ہی میں نقل ہوتی ہیں۔ خدا نقل نہیں بناتا، وہ اصل بناتا ہے۔ لہٰذا، خدا کی طرح کوئی اصل شے بنانے کی کاوش ہی وہ چیز ہے، جو اس حدیث میں زیرِ بحث ہے۔ ظاہر ہے خدا کی تخلیق کی یہ نقل نہ تو انسان کے بس میں ہے اور نہ اِس کی کوشش اُسے (انسان کو) زیبا ہے۔

یہ بات اچھی طرح سے واضح رہے کہ اِس حدیث سے تصویر کی شناعت یا اُس کی حرمت کی جو علت ہمارے سامنے آتی ہے، وہ خدا کی نقالی کرنا ہے، نہ کہ خدا کی بنائی ہوئی اشیا کی نقالی کرنا۔ اب آپ دیکھیے کہ احادیث کا سابقہ گروپ جس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تصاویر کے بارے میں اجمالی بیان اپنی تفصیل میں ڈھلا تھا، اُس میں جس نوعیت کی تصاویر و تماثیل ہمارے سامنے آئی تھیں، ان سب کے بارے میں الوہیت کے تصورات پائے جاتے تھے۔ چنانچہ آپ دیکھیں عیسیٰ علیہ السلام کی صلیب، مریم علیہا السلام کی تصویر اور کنیسائوں میں موجود عیسائیوں کے صلحا کی تصاویر، یہ سب کی سب مشرکانہ عقائد کا مظہر تھیں۔ اسی طرح بیت اللہ میں موجود معبود ان باطل کی تصاویر یا ان کے مجسمے، یہ سب بھی مذہبِ شرک کا مظہرِ اتم تھے۔ یہ سب کی سب تصاویر و تماثیل یکسر انسانی ذہن کی تخلیق تھیں، انسان نے خود ہی ان کو سوچا، خود ہی ان کو گھڑا، خود ہی ان کے بارے میں الوہیت کے تصورات تخلیق کیے اور پھر خود ہی اس نے لوگوں کو ان تصورات سے متعارف کرایا تھا۔ چنانچہ انسان ہی نے ان (تصاویر و تماثیل) کے بارے میں لوگوں کو یہ بتایا کہ یہ بے حس و حرکت ہونے کے باوجود زندہ ہیں، یہ اس کائنات میں تصرف کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ یہ جنگ اور قحط کے زمانے میں انسانوں کی مافوق الفطرت طریقے سے مدد کر سکتی ہیں۔ یہ امن اور خوش حالی کے زمانے میں برکت کا باعث ہوتی ہیں۔ ان کے بارے میں انسان نے یہ تصور بھی دیا اور اسے ایک مضبوط عقیدہ بنانے کی کوشش کی کہ الوہیت کی صفات سے متصف یہ تصاویر و تماثیل قیامت کے دن خدا کے ہاں پرزور شفاعت کرنے کی طاقت رکھتی ہیں۔ یہ خدا کے عدل کو باطل کر سکتی ہیں۔ انسان کی یہ تخلیق دراصل خدائی صفات سے متصف ہستیوں کی تخلیق ہے۔ یہ ہستیاں بڑے خدا کے ساتھ چھوٹے خدا ہیں۔ پس ضروری ہوا کہ ان خداؤں کی بھی عبادت کی جائے۔

قرآنِ مجید میں مشرکین کے ان عقائد و نظریات پر جگہ جگہ شدید تنقید کی گئی ہے۔ قرآن کی بات ان ہستیوں

کی نفی سے شروع ہوتی اور خداے واحد کے اثبات پر ختم ہوتی ہے۔ اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ شرک کا یہ سارا ڈھونگ یکسر جھوٹ ہے۔ قرآنِ مجید خالص حق کی بات کرتا ہے وہ اسے کیسے گوارا کر سکتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں انسان کے اسی ڈھونگ رچانے پر وعید سنائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی جھوٹ کو گھڑنے والوں پر لعنت فرمائی اور یہ بتایا کہ یہ قیامت کے دن شدید عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ وہاں ان مصورین سے یہ کہا جائے گا کہ تم نے یہ تصویر جو بنائی ہے جسے تم زندہ اور صاحبِ تصرف قرار دیتے ہو۔ دیکھو یہ مردہ ہے اس میں وہ روح ڈالو جو تم اس کے اندر موجود سمجھتے تھے اسے زندہ کر و ظاہر ہے کہ وہاں یہ کچھ بھی نہ کر سکیں گے۔ خداے واحد کے سامنے یہ مصورین اس کا کوئی شریک تخلیق نہ کر سکیں گے اور عذاب کے مستحق بن جائیں گے۔

یہ بات کہ احادیث میں تصاویر کی شناعت اِس وجہ سے نہیں کہ یہ تصاویر ہیں، بلکہ اِس وجہ سے ہے کہ اُن کے بارے میں اُلوہیت کے تصورات پائے جاتے ہیں، اِس کی بہت واضح تصدیق اُن احادیث سے بھی ہوتی ہے، جن میں قدرے تفصیل سے یہ بتایا گیا ہے کہ اہلِ تصویر کے ساتھ قیامت کے دن کیا معاملہ ہو گا۔ اُن احادیث میں یہ بات بھی بہت واضح طور پر بتا دی گئی ہے کہ ان اہلِ تصویر کا اصل جرم کیا ہے۔ یہ احادیث درج ذیل ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَجْمَعُ اللهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ ثُمَّ يَطَّلِعُ عَلَيْهِمْ رَبُّ الْعَالَمِينَ فَيَقُولُ أَلَا يَتْبَعُ كُلُّ إِنْسَانٍ مَا كَانُوا يَعْبُدُونَهُ فَيُمَثَّلُ لِصَاحِبِ الصَّلِيبِ صَلِيبُهُ وَلِصَاحِبِ التَّصَاوِيرِ تَصَاوِيرُهُ وَلِصَاحِبِ النَّارِ نَارُهُ فَيَتْبَعُونَ مَا كَانُوا يَعْبُدُونَ.

(ترمذی، کتاب صفۃ الجنۃ، ماجاء فی الخلود)

”ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب لوگوں کو ایک بڑے میدان میں جمع کرے گا۔ پھر جہانوں کا پروردگار ان پر ظاہر ہو گا۔ پھر وہ کہے گا کہ آگاہ رہو، ہر انسان کو اپنے معبود کے پیچھے چلنا ہو گا۔ پھر صلیب والے کے لیے اس کی صلیب ممثل کر دی جائے گی اور تصاویر کے پجاری کے لیے اس کی تصاویر اور آگ کے پجاری کے لیے اس کی آگ ممثل کی جائے گی۔ پھر سب لوگ اپنے اپنے معبود کے پیچھے چلیں گے۔“

عن أبي سعيد الخدري قال النبي....

”ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

يَجْمَعُ اللّٰهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ قَالَ فَيُقَالُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ شَيْئًا فَلْيَتْبَعْهُ قَالَ فَيَتْبَعُ الَّذِينَ كَانُوا يَعْبُدُونَ الشَّمْسَ الشَّمْسَ فَيَتَسَاقَطُونَ فِي النَّارِ وَيَتْبَعُ الَّذِينَ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْقَمَرَ الْقَمَرَ فَيَتَسَاقَطُونَ فِي النَّارِ وَيَتْبَعُ الَّذِينَ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْأَوْثَانَ الْأَوْثَانَ وَالَّذِينَ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْأَصْنَامَ الْأَصْنَامَ فَيَتَسَاقَطُونَ فِي النَّارِ قَالَ وَكُلُّ مَنْ كَانَ يُعْبَدُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ حَتَّى يَتَسَاقَطُونَ فِي النَّارِ.

(مسند احمد، باقی مسند المکثرین)

نے فرمایا ....اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب لوگوں کو ایک بڑے میدان میں جمع کرے گا۔ آپ نے فرمایا پھر کہا جائے گا، ہر آدمی اپنے معبود کی پیروی کرے۔ چنانچہ سورج کے پجاری سورج کی پیروی کریں گے، تو وہ آگ میں پے در پے جا گریں گے اور چاند کے پجاری چاند کی پیروی کریں گے اور آگ میں پے در پے جا گریں گے اور اوثان (تماثیل) کو پوجنے والے اوثان کی اور اصنام[6] (تماثیل) کو پوجنے والے اصنام کی، پس یہ پے در پے آگ میں جا گریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کے سوا، ہر وہ جس کی عبادت کی جاتی تھی وہ اپنے پیرووں کو لے کر چلے گا حتیٰ کہ وہ آگ میں جا گریں گے۔"

یہ احادیث سورۂ انبیا کی آیت 'انکم وما تعبدون من دون اللّٰہ حصب جھنم، أنتم لھا واردون'۔ (یقیناً تم اور یہ چیزیں جنھیں تم اللہ کے علاوہ پوجتے ہو، جہنم کا ایندھن بنیں گی، تم اس جہنم میں داخل ہو کر رہو گے) کا صریح بیان اور اِس کی واضح شرح ہیں۔

اِن احادیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ:

۱۔ قیامت کے دن سب لوگ ایک بڑے میدان میں جمع کیے جائیں گے۔

۲۔ انسانوں کے سب باطل معبود ممثل کیے جائیں گے۔ اِن میں صلیب، تصاویر، آگ، سورج، چاند، اوثان اور اصنام (تماثیل) وغیرہ سب شامل ہوں گے۔

۳۔ پھر سب انسانوں سے کہا جائے گا کہ وہ اپنے اپنے معبودوں کے پیچھے چلیں، یہ معبود اُن کو سیدھے جہنم

۶۔ اِن اوثان اور اصنام سے مراد وہ تماثیل ہی ہیں، جن کی پرستش کی جاتی تھی، قرآنِ مجید میں اِنھی اوثان اور اصنام کے بارے میں ایک دوسری جگہ پر 'ما ھذہ تماثیل التی انتم لھا عاکفون' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

میں لے جائیں گے۔ چنانچہ صلیب کے پجاری صلیب کی پیروی کرتے ہوئے جہنم میں جا گریں گے۔ تصاویر و تماثیل (اوثان و اصنام) کے پجاری تصاویر و تماثیل کی پیروی کرتے ہوئے، جہنم میں جا گریں گے۔ آگ کے پجاری آگ کی پیروی کرتے ہوئے، جہنم میں جا گریں گے۔ سورج اور چاند کے پجاری، سورج اور چاند کی پیروی کرتے ہوئے، آگ میں جا گریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کے سوا، ہر وہ چیز جس کی عبادت کی جاتی ہے، وہ اپنے پیرووں کو لے کر آگ میں جا گرے گی۔

یہ احادیث تو بالکل ہی واضح کر دیتی ہیں کہ تصاویر کے حوالے سے مذہب کو اصل غصہ اس پر ہے کہ اِن تصاویر کے بارے میں لوگوں میں اُسی طرح اُلوہیت کے تصورات پائے جاتے ہیں، جیسے آتش پرستوں میں آتش کے بارے میں، آفتاب پرستوں میں آفتاب کے بارے میں اور ماہتاب پرستوں میں ماہتاب کے بارے میں اُلوہیت کے تصورات پائے جاتے ہیں۔ جیسے اِن مظاہر فطرت کی عبادت کی گئی ہے، اُسی طرح تصاویر و تماثیل کی عبادت بھی کی گئی ہے۔ چنانچہ قیامت کے دن یہ تصاویر بھی دوسرے معبودانِ باطل کی طرح، اپنے پجاریوں کی رہنمائی کریں گی اور اُنہیں سیدھا دوزخ میں لے جا کر گرائیں گی۔

اس کے بعد ہم پھر احادیث کے ذخیرے کی طرف آتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرک کے علاوہ کسی اور علت کی بنا پر بھی تصاویر کے بارے میں کچھ کہا ہے؟

اس حوالے سے جب ہم غور کرتے ہیں، تو ہمارے سامنے کچھ اور احادیث آتی ہیں، جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرک کے علاوہ ایک اور وجہ سے بھی تصاویر سے گریز کیا ہے، البتہ اِس حوالے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں ممنوع اور حرام قرار نہیں دیا۔ یہ احادیث درجِ ذیل ہیں:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ لَنَا سِتْرٌ فِيهِ تِمْثَالُ طَائِرٍ وَكَانَ الدَّاخِلُ إِذَا دَخَلَ اسْتَقْبَلَهُ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَوِّلِي هَذَا فَإِنِّي كُلَّمَا دَخَلْتُ فَرَأَيْتُهُ ذَكَرْتُ الدُّنْيَا.

(مسلم، اللباس والزینۃ، تحریم تصویر)

”عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا ہمارا ایک پردہ ہوا کرتا تھا، اس میں پرندے کی ایک تصویر بنی ہوئی تھی۔ جب بھی کوئی گھر میں آنے والا آتا، اسے اپنے سامنے وہ تصویر نظر آتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے کہا، اس کو ہٹا دو، میں جب بھی گھر میں آتا ہوں اور اسے دیکھتا ہوں تو مجھے دنیا یاد آتی ہے۔“

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِي اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ أَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْتَ فَاطِمَةَ فَلَمْ يَدْخُلْ عَلَيْهَا وَجَاءَ عَلِيٌّ فَذَكَرَتْ لَهُ ذَلِكَ فَذَكَرَهُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنِّي رَأَيْتُ عَلَى بَابِهَا سِتْرًا مَوْشِيًّا فَقَالَ مَا لِي وَلِلدُّنْيَا فَأَتَاهَا عَلِيٌّ فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهَا فَقَالَتْ لِيَأْمُرْنِي فِيهِ بِمَا شَاءَ قَالَ تُرْسِلُ بِهِ إِلَى فُلَانٍ أَهْلِ بَيْتٍ بِهِمْ حَاجَةٌ.

(بخاری، الھبتہ و فضلھا ۰۰۰، ھدیتہ ما یکرہ لبسھا)

''ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر (دروازے تک) آئے، لیکن گھر میں داخل نہیں ہوئے اور واپس چلے گئے۔ پھر جب علی رضی اللہ عنہ آئے، فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اُن سے یہ واقعہ بیان کیا۔ اُنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا (آپ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل کیوں نہیں ہوئے)؟ آپ صلی علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اُس کے دروازے پر نقش و نگار والا پردہ دیکھا تھا۔ پھر فرمایا میرا دنیا سے کیا تعلق۔ پھر علی رضی اللہ عنہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور انھیں یہ بات بتائی۔ اُنھوں نے کہا وہ مجھے اس کے بارے میں جو چاہتے ہیں حکم دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے فلاں کے پاس بھجوا دو، اُنھیں اِس کی ضرورت ہے۔''

اِن احادیث سے درجِ ذیل نکات معلوم ہوتے ہیں۔

۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے گھر میں پرندے کی ایک تصویر دیکھی تو فرمایا کہ اس کو ہٹا دو، کیونکہ اِس سے مجھے دنیا یاد آتی ہے۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے دروازے پر نقش و نگار والا پردہ دیکھا، تو اُن کے گھر میں داخل ہونے سے گریز کیا اور فرمایا میرا دنیا سے کیا تعلق۔

۳۔ جس منقش پردے سے گریز کیا تھا اُسی کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ پردہ فلاں کے پاس بھجوا دو، اُنھیں اِس کی ضرورت ہے۔

آپ دیکھیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پرندے کی تصویر کو دیکھ کر یہ کہنا کہ اِسے ہٹا دو، یہ مجھے دنیا یاد دلاتی ہے اور منقش

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

پردے کو دیکھ کر اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہونے سے گریز کرنا اور یہ کہنا کہ میرا دنیا سے کیا تعلق، یہ دونوں جملے بتاتے ہیں کہ یہاں آپ کا تصاویر اور نقش و نگار سے گریز بالکل دوسری نوعیت کا ہے۔ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تصویر اور نقش و نگار کو دنیا کی خوش نمائی اور اُس کی رونق کا ایک مظہر سمجھتے ہوئے، اس سے بے رغبتی کا اظہار کر رہے ہیں۔ یہ ایک ایسے آدمی کا رویہ ہے، جو آخرت کی طرف سے اپنی توجہ اور یکسوئی کو ایک لمحے کے لیے بھی ہٹانا نہیں چاہتا۔ یہاں تصویر کی حلت و حرمت زیرِ بحث نہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ آپ نے وہ منقش پردہ کسی حاجت مند شخص کے گھر بھجوا دیا۔ اگر مسئلہ حلت و حرمت کا ہوتا تو آپ ایسا ہرگز نہ کرتے، آپ اُسے ضرور پھاڑ دیتے، جیسا کہ ہم نے بعض احادیث میں آپ کا رویہ دیکھا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اِن تصاویر سے گریز کی جو وجہ بیان کرتے ہیں، وہ واضح طور پر آپ کا زُہد ہے، نہ کہ اِن تصاویر کے بارے میں دین و شریعت کا کوئی حکم۔

اِس کے بعد آپ دیکھیں کہ مسلم کی یہی روایت جو ابھی ہم نے اوپر پڑھی ہے، جس میں پرندے کی تصویر کا ذکر ہے، اُسے امام مسلم ایک دوسری سند سے بھی لائے ہیں اس سند سے مروی متن میں کچھ الفاظ کا اضافہ ہے، یہ اضافہ بہت اہم ہے، یہ ہمیں بتاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پرندے (یعنی جان دار) کی تصویر کو حلت و حرمت کے حوالے سے دیکھا ہی نہیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

دوسری سند کے حوالے سے یہ روایت درجِ ذیل الفاظ میں منقول ہے:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ لَنَا سِتْرٌ فِيهِ تِمْثَالُ طَائِرٍ وَكَانَ الدَّاخِلُ إِذَا دَخَلَ اسْتَقْبَلَهُ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَوِّلِي هَذَا فَإِنِّي كُلَّمَا دَخَلْتُ فَرَأَيْتُهُ ذَكَرْتُ الدُّنْيَا ...... فَلَمْ يَأْمُرْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَطْعِهِ. (صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ)

”عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہمارے ہاں ایک پردہ ہوا کرتا تھا، اُس پر ایک پرندے کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ گھر میں داخل ہونے والا کوئی شخص جونہی داخل ہوتا، تو اُسے اپنے سامنے پاتا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے کہا: اِسے ہٹا دو، میں جب بھی گھر میں داخل ہوتے ہوئے اِسے دیکھتا ہوں، میرا دھیان دنیا کی طرف چلا جاتا ہے ... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اِسے پھاڑ دینے کا حکم نہیں دیا، (یعنی صرف اُسے اُس جگہ

سے ہٹادینے ہی کا حکم دیا)۔‘‘

یہ روایت بنیادی طور پر تو وہی ہے جو ابھی ہم اوپر پڑھ آئے ہیں، لیکن اِس میں جن الفاظ کا اضافہ ہے، اُن کے حوالے سے آپ دیکھیں، اِس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پرندے کی تصویر کے ساتھ وہ معاملہ نہیں کیا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مثلاً، بیت اللہ میں موجود تصاویر کے ساتھ اور صلیب کی تصاویر کے ساتھ اختیار کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پرندے کی تصویر کو پھاڑے کا حکم نہیں دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے برقرار رہنے دیا۔ اِس کی کیا وجہ ہے؟ یہی کہ یہ تصویر اپنے اندر وہ قباحت رکھتی ہی نہ تھی، جو قباحت بیت اللہ میں موجود تصاویر اور صلیب کی تصاویر میں پائی جاتی تھی۔ پرندے کی اِس تصویر میں محض تزئین و آرایش ہی کا پہلو تھا۔ تزئین و آرایش فی نفسہٖ ہمارے دین میں ممنوع نہیں ہے۔ البتہ یہ اگر ہمارے لیے دنیا یاد دلانے کا باعث بنتی ہو، تو ہمیں اپنے اندر آخرت کی طرف یکسوئی پیدا کرنے کی خاطر، اِس سے ممکن حد تک گریز کرنا چاہیے[۷]۔

چنانچہ یہ روایت اِس پر نصِ قاطع ہے کہ پرندے کی تصویر یعنی جان دار کی تصویر حرام نہیں ہے۔

۷۔ دنیا یاد دلانے والی شے سے گریز کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ آدمی قرینے اور سلیقے کے اظہار ہی سے گریز کرنے لگ پڑے، قرینہ اور سلیقہ تو انتہائی فطری چیزیں ہیں۔ یہ گریز دراصل، اُس آرایش و زیبایش اور اُس زیب و زینت سے ہے، جو خاص اِس مقصد کے لیے ہوتی ہے کہ کسی شے کو آدمی کی نظروں میں کھبادے۔

اِس آرایش و زیبایش اور اِس زیب و زینت کا معیار تمدن کے فرق کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ ایک غیر ترقی یافتہ صحرائی تمدن میں ہو سکتا ہے کہ محض ایک پرندے کی تصویر دنیا یاد دلانے کا باعث بن جائے اور ایک ترقی یافتہ تمدن میں ہو سکتا ہے کہ اِس سے بدرجہا مزین اشیا بھی دنیا یاد دلانے کا باعث نہ بنیں۔ اِس تمدن میں ہو سکتا ہے کہ کوئی بہت ہی مزین شے اِس کا ذریعہ بنتی ہو۔

پھر یہ معاملہ بھی ہے کہ طبائع اور مزاجوں کے فرق کے ساتھ زُہد کے رنگ میں بہت کچھ فرق ہو جاتا ہے۔ زُہدِ یحییٰ علیہ السلام کا اپنا رنگ ہے اور زُہدِ سلیمان علیہ السلام کا اپنا رنگ۔ ایک زُہد میں ٹاٹ کا لباس پہنا جاتا ہے اور ایک میں صرح ممرد (شیشوں جڑا محل) بنوایا جاتا ہے اور پھر اِس میں زُہد اپنا اظہار 'فطفق مسحاً بالسوق والاعناق' (وہ اُن گھوڑوں کی پنڈلیاں اور گردنیں تلوار سے اُڑانے لگ پڑا) کی صورت میں کرتا ہے۔ الغرض زُہد کے سیکڑوں رنگ ہیں۔ نبی نے اسی رنگِ زہد کے حوالے سے ہمیں یہ بتایا ہے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ میں عیسٰی کا رنگِ زہد پایا جاتا ہے۔

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رنگِ زُہد کی پیروی آدمی تبھی کر سکتا ہے، اگر وہ اُس رنگ کا طبعی ذوق رکھتا ہو۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

ہاں البتہ جان دار کی تصویر بھی بعض دوسری بے جان اشیا مثلاً، پہاڑ، ندی، جنگل اور وادی کی تصاویر کی طرح چونکہ دنیا یاد دلانے کا باعث بن سکتی ہے، لہٰذا، اِس پہلو سے اگر اِس سے زُہدانہ گریز پیش نظر ہو، تو وہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ گریز پھر جان دار اور بے جان ہر شے کی تصویر سے یکساں طور پر ہو گا اور محض تصویر ہی سے نہیں، منقش کپڑے سے بھی ہو گا، مزین عمارت سے بھی ہو گا۔ غرض یہ گریز ہر اُس چیز سے ہو گا، جو دنیا یاد دلانے کا باعث بنتی ہے یا بن سکتی ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گریز اصلاً، تصویر سے نہیں تھا، بلکہ اُس تزئین و آرایش سے تھا، جو اُس تصویر میں پائی جاتی تھی اور جس کی بنا پر، وہ دنیا یاد دلانے کا ذریعہ بن رہی تھی۔ یہ بات اچھی طرح ذہن میں رہے کہ یہ گریز اسلامی قانون و شریعت کا حکم نہیں ہے۔ یہ تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رنگِ زُہد کی پیروی ہے۔ بے شک آپ سے زُہد کا یہ رنگ ثابت ہے۔ بہر حال، درجِ بالا حدیث کے الفاظ یہ واضح طور پر بتا رہے ہیں کہ پرندے یعنی جان دار کی تصویر شرعاً ہر گز حرام نہیں ہے۔

اگر جان دار کی تصویر کی حلت و حرمت کوئی مسئلہ ہوتا، تو یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس کی حرمت اور قباحت کو بیان ہی نہ کریں۔ نہ اِس بات کا کوئی امکان تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پرندے کی تصویر سے گریز کی اصل علت ہی کو بھول کر، بالکل ہی ایک دوسری بات بیان کر دیں اور اِس طرح سے ایک حرام بات، بالکل جائز اور مباح بن جائے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

یہاں تک کی ساری بحث اس سے متعلق تھی کہ تصاویر و تماثیل کے بارے میں ہمیں براہِ راست قرآنِ مجید سے اور اُس کے بعد احادیث سے کیا رہنمائی ملتی ہے۔ اب ہم یہ دیکھیں گے کہ صحابہ کرام علیہم اجمعین نے تصاویر کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کو کیا سمجھا تھا۔

(باقی)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

منظور الحسن

جہاد ـــــ ایک تنقید کا جواب

ہفت روزہ ''وجود'' کراچی ۴ اپریل ۲۰۰۰ کی اشاعت میں جناب علی محمد رضوی کا ایک تنقیدی مضمون شائع ہوا ہے۔ مضمون کا عنوان ہے: ''دہشت گردی ـــــ استعمار ـــــ جہاد''۔اس مضمون میں مصنف نے برادرم آصف افتخار صاحب کی تحریر "Murder Manslaughter and Terrorism ---- All In The Name Of Allah" کو بنیاد بنا کر جہاد کے بارے میں ہمارے نقطہ ء نظر پر تنقید کی ہے۔ان کی تنقید کا خلاصہ کم وبیش انھی کے الفاظ میں، چند نکات کی صورت میں یہ ہے:

۱۔اس فکر کے دو اہم منہاجی اصول ہیں۔ایک ظاہر پرستی یا ظاہریت اور دوسرے لفظ پرستی یا لفظیت۔

۲۔اس فکر کے مطابق قرآنِ مجید اور سنتِ رسول کو لغت اور فہم عامہ کے ذریعے سے سمجھا جا سکتا ہے۔اس کے لیے ان علوم و روایات اور تعبیرات کی ضرورت نہیں ہے جو روایتی طور پر کلامِ الٰہی کے فہم کے لیے ضروری سمجھے جاتے ہیں۔

۳۔آصف افتخار کے خیال میں ریاست کی طاقت اور سند کے بغیر نہ تو جہاد جائز ہے اور نہ کسی کو تعذیب (سزا) دی جا سکتی ہے۔یہ بات کہنا کہ جہاد کے لیے ریاست کا قیام ضروری ہے، ایک مضحکہ خیز بات ہے۔

۴۔آصف افتخار نے اپنی ساری تحریر میں ریاست کی تعریف تک نہیں کی۔ریاست تو تعلقات کے اس نظام کو کہتے ہیں جن کی بنیاد جبر کے جائز استعمال پر رکھی گئی ہو۔ان معنوں میں اسکول سے لے کر تنظیم حکومت تک تعلقات کے جائز جبری پہلو کو ریاست کہیں گے۔اگر آصف افتخار کی مراد ریاست سے محض حکومت ہے تو ہم ان سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ اس سے ان کی مراد مرکزی حکومت ہے، صوبائی حکومت ہے یا بلدیاتی حکومت؟ ظاہر ہے کہ مصنف جو کہ نظریہ ء سیاسی سے بالکل نابلد معلوم ہوتے ہیں ان کے پاس ان سوالات کے کوئی جوابات نہیں ہیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۵۔آصف افتخار ہر اس ریاست کو اسلامی ریاست قرار دیتے ہیں جس کے حکمران مسلمان ہیں اور جن کی حکومت باہمی مشاورت (یعنی جمہوریت) کی بنیاد پر قائم ہے۔ مصنف کا شوریٰ کو جمہوریت کا ہم معنی قرار دینا نیز اسلامی ریاست کو ایک دستوری حکومت قرار دینا قرآنی اصطلاحات کی لفظی اور ظاہری تعبیر کے ذریعے سے موجودہ دور کے فتنوں کو جواز دینے کے لیے استعمال کرنے کی ایک بہترین مثال ہے۔

۶۔ خروج کے بارے میں آصف افتخار کا موقف یہ ہے کہ وہ صرف اس صورت میں جائز ہے جب اس کو ملک کی اکثریت کی حمایت حاصل ہو حالانکہ ایک جاہل شخص بھی یہ جانتا ہے کہ احکام کے جواز اور عدمِ جواز کا دار و مدار اللہ کی مرضی سے متعین ہوتا ہے، اکثریت کی رائے سے متعین نہیں ہوتا۔

۷۔آصف افتخار جو کچھ لکھتے ہیں اس کے مضمرات سے آگاہ نہیں ہیں یا خدانخواستہ کوئی دریدہ دہن گستاخ ہیں ورنہ یہ جملہ نہ لکھتے کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی قانون کو اپنے ہاتھ میں نہ لیا اور اپنی تیرہ سالہ جدو جہد کے دوران میں قومی قانون سے کبھی تجاوز نہیں کیا"۔ جب حضور شارع ہیں تو اس لغو، بے معنی اور گستاخانہ جملے کا کیا مقصد ہے۔ قانون تو حضور کے قول و فعل، عمل اور رضا کا نام ہے۔

۸۔اس کتابچہ کا مجموعی پیغام یہ ہے کہ حکمرانوں کی اطاعت کرو، ان کے خلاف کسی جدوجہد کا حصہ نہ بنو۔ تمام سیکولر ملکی قوانین کی اطاعت کرو کیونکہ (نعوذ باللہ) رسولِ اکرم بھی ملکی قوانین کے پابند تھے۔

اب ہم رضوی صاحب کی تحریر سے اخذ کیے گئے ان نکات کا جائزہ لیتے ہیں۔

رضوی صاحب کا بنیادی مقدمہ یہ ہے کہ آصف افتخار جس مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں اس کے دو اہم منہاجی اصول ہیں، ایک ظاہر پرستی یا ظاہریت اور دوسرے لفظ پرستی یا لفظیت۔ اپنی بات کی وضاحت میں وہ لکھتے ہیں:

> "ظاہریت اور لفظیت ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ ظاہریت الفاظ و معانی کی مساوات کا نظریہ ہے۔ ایک طرف تو وہ اس بات کا دعویٰ کرتی ہے کہ الفاظ کا احاطہ اور ادراک ذہن کے ذریعے ممکن ہے تو دوسری طرف وہ اس بات کا دعویٰ کرتی ہے کہ معانی تک رسائی صرف الفاظ کے ذریعہ ممکن ہے۔ ظاہریت یہ نہیں جانتی کہ الفاظ کی ایک تاریخ ہے، جس کی عمر انسانی عمر سے زیادہ ہے۔ ظاہریت تاریخ کے سفر کے دوران الفاظ کی ہم رنگی کی قائل ہے۔ اسی طرح وہ عقلِ انسانی کو الفاظ کے احاطہ کے قابل قرار دے کر تحدیدِ انسانی کا انکار کرتی ہے۔ دوسری طرف وہ معانی کو الفاظ میں قید کر کے نہ صرف یہ کہ معانی کی ماورایت کو تحلیل کرتی، بلکہ معانی

کا رشتہ حیاتِ انسانی سے کاٹ دیتی ہے۔‘‘

رضوی صاحب نے ظاہریت اور لفظیت کے الفاظ استعمال کر کے جو بات بیان کرنے کی کوشش کی ہے، ہو سکتا ہے کہ علمِ منطق کا کوئی استاد اس کا مفہوم سمجھنے میں کامیاب ہو جائے، لیکن اس کے بجائے اگر وہ آصف صاحب کی تحریر سے کوئی جملہ منتخب کرتے اور دلائل سے یہ واضح کرتے کہ اس جملے میں فلاں لفظ کا فلاں مفہوم درست اخذ نہیں کیا گیا، تو وہ یقیناً ہم جیسے عام قارئین تک اپنی بات کا ابلاغ کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔

ہر شخص اس بات سے واقف ہے کہ زبان الفاظ ہی کا مجموعہ ہوتی ہے۔ انسان الفاظ ہی کے ذریعے سے اپنے مافی الضمیر کو دوسروں کے سامنے بیان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام لوگوں تک پہنچانے کے لیے ہمیشہ الفاظ ہی کو اختیار کیا ہے۔ قرآنِ مجید اور احادیث کے مجموعے الفاظ ہی کے ذریعے سے اپنی ہدایت انسانوں کو منتقل کرتے ہیں۔ خود رضوی صاحب نے اپنے مضمون میں جو بات بیان کرنا چاہی ہے اس میں بھی الفاظ ہی کا سہارا لیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک انسانوں کو باہمی طور پر ابلاغ کی ضرورت ہے ان کے لیے الفاظ سے مفر ممکن نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کسی بات کے معانی اور مفاہیم تک رسائی کا ذریعہ کیا الفاظ کے سوا کوئی اور بھی ہو سکتا ہے اور عقلِ انسانی کیا الفاظ کے فہم و ادراک کے لیے اپنے علاوہ کوئی اور ذریعہ بھی اختیار کر سکتی ہے؟ ہر عاقل اس کا جواب نفی میں دے گا۔ اس بنا پر، حسنِ ظن کو پوری طرح قائم رکھتے ہوئے ہمیں توقع ہے کہ رضوی صاحب الفاظ کی اس غیر معمولی اہمیت سے انکار نہیں کریں گے۔ بہر حال رضوی صاحب جو کچھ بھی کہنا چاہتے ہیں، اگر اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ 'الفاظ کی دلالت اپنے مفہوم پر ظنی ہوتی ہے'، یعنی ہم جملے میں استعمال ہونے والے کسی لفظ کا مفہوم حتمی طور پر طے نہیں کر سکتے، تو ان سے ہماری گزارش ہے کہ وہ اپنے اس دعوے کی دلیل کے طور پر قرآنِ مجید یا دنیا کی کسی بھی کتاب سے کوئی لفظ متعین کریں اور ہمیں سمجھائیں کہ کس طرح عقلِ انسانی اس لفظ کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے اور کس طرح اسے معانی کی قید سے آزاد کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ تحقیق کرنے سے پہلے ہماری ان سے درخواست ہے کہ وہ جناب جاوید احمد غامدی کے درجِ ذیل پیرا گراف کو ضرور پڑھ لیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس کے نتیجے میں مشقت میں مبتلا ہونے سے بچ جائیں:

> ’’دنیا کی ہر زندہ زبان کے الفاظ و اسالیب جن مفاہیم پر دلالت کرتے ہیں، وہ سب متواترات پر مبنی اور ہر لحاظ سے بالکل قطعی ہوتے ہیں۔ لغت و نحو اور اس طرح کے دوسرے علوم اسی تواتر کو بیان کرتے ہیں۔ اس میں نقل کرنے والوں کا صدق و کذب اور ان کی تعداد سرے سے زیرِ بحث ہی نہیں ہوتی۔ جن الفاظ و اسالیب کو

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

شاذ اور غریب کہا جاتا ہے، وہ بھی اپنے مفہوم کے لحاظ سے نہیں، بلکہ اپنے استعمال کی قلت و کثرت، اور سننے اور پڑھنے والوں کے علم و اطلاع کے لحاظ سے شاذ اور غریب کہلاتے ہیں۔ لفظ اور معنی کا سفر کبھی الگ نہیں ہوتا، وہ جب تک مستعمل رہتا ہے، اپنے معنی کے ساتھ مستعمل رہتا ہے۔ ہم کسی لفظ کے مفہوم سے ناواقف ہو سکتے ہیں اور اس کی تعیین میں غلطی بھی کر سکتے ہیں، لیکن وہ اپنے مفہوم کی قطعیت کے بغیر ہی مستعمل ہے یا کسی دور میں مستعمل رہا ہے، اس کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ مجاز اور کنایہ، نقل و اشتراک اور اجمال و تخصیص وغیرہ کے مواقع کا شعور بھی اسی طرح متواتر ہے۔ دنیا کی سب زبانوں میں یہ انسان کا مشترک سرمایہ ہے۔ 'شیر جنگل کا بادشاہ ہے' اور 'کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے' ان جملوں میں مجاز اور حقیقت کو الگ پہچاننے میں کوئی فرد تو بے شک غلطی کر سکتا ہے، لیکن انسان کا یہ اجتماعی شعور کبھی متردد نہیں ہوتا اور ہم اس کی روشنی میں فرد کو اس کی غلطی پر متنبہ کرتے ہیں۔ زبان سے متعلق یہی حقیقت ہے جس کی بنا پر ہم جو کچھ بولتے اور لکھتے ہیں، اس اعتماد کے ساتھ بولتے اور لکھتے ہیں کہ دوسرے اس سے وہی کچھ سمجھیں گے جو ہم کہنا چاہتے ہیں۔ دنیا میں ہر روز جو دستاویزات لکھی جاتی ہیں، جو فیصلے سنائے جاتے ہیں، جو احکام جاری کیے جاتے ہیں، جو اطلاعات بہم پہنچائی جاتی ہیں اور جن علوم کا ابلاغ کیا جاتا ہے، ان کے بارے میں ایک لمحے کے لیے بھی یہ خیال اگر پیدا ہو جائے کہ ان کے الفاظ کی دلالت اپنے مفہوم پر قطعی نہیں ہے تو ان میں سے ہر چیز بالکل بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔ چنانچہ یہ نقطۂ نظر نری سوفسطائیت ہے، جس کے لیے علم کی دنیا میں ہر گز کوئی گنجایش پیدا نہیں کی جا سکتی۔" (اصول و مبادی، ص ۳۳)

رضوی صاحب کا دوسرا اعتراض جو ان کے پہلے اعتراض ہی کا تتمہ ہے یہ ہے کہ: "اس فکر کے مطابق قرآنِ مجید اور سنتِ رسول کو لغت اور فہمِ عامہ کے ذریعے سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے ان علوم و روایات اور تعبیرات کی ضرورت نہیں ہے جو روایتی طور پر کلامِ الٰہی کے فہم کے لیے ضروری سمجھے جاتے ہیں۔"

رضوی صاحب کی بہت عنایت ہوتی اگر وہ ان علوم و روایات اور تعبیرات کا محض نام ہی درج کر دیتے اور یہ بیان کر دیتے کہ روایتی طور پر کلامِ الٰہی کے فہم کے لیے کن علوم سے واقفیت ضروری ہوتی ہے اور کس طرح ہم ان علوم سے صرفِ نظر کر رہے ہیں۔

ہر پڑھا لکھا مسلمان اس بات سے واقف ہو گا کہ قرآنِ مجید کی تفہیم کا کام کرنے کے لیے جن علوم و فنون سے آگاہی کی ضرورت ہوتی ہے وہ یہ ہیں:

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

۱۔ عربی زبان و ادب۔ کیونکہ قرآنِ مجید فصیح عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔

۲۔ ملتِ ابراہیمی کی روایت۔ کیونکہ سنت کی صورت میں دین کا ایک بڑا حصہ ملتِ ابراہیمی کی روایت پر مشتمل ہے اور قرآنِ مجید بھی اس کے بعض پہلوؤں کو بیان کرتا ہے۔

۳۔ احادیثِ نبوی۔ کیونکہ دین سے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تفہیم اور شرح و وضاحت سے روشناس ہونے کا واحد ذریعہ احادیث ہی ہیں۔

۴۔ آثارِ صحابہ (یعنی صحابہ کا قول و عمل)۔ کیونکہ صحابۂ کرام نے پیغمبر سے براہِ راست تربیت پائی اور پیغمبر کو احکامِ الٰہی پر عمل کرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

۵۔ قرآن سے پہلے کے آسمانی صحائف۔ کیونکہ تحریفات کے باوجود ان میں حکمتِ خداوندی کے خزانے موجود ہیں۔

۶۔ گزشتہ چودہ سو سال میں دین پر ہونے والا تحقیقی اور تصنیفی کام۔ کیونکہ کسی بھی علم میں قدما کے کام سے بے نیاز ہو کر کوئی پیش رفت نہیں کی جا سکتی۔

یہی وہ بنیادی علوم و فنون ہیں جن سے آگاہی کے بغیر کسی شخص کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ قرآنِ مجید کے بارے میں علمی اور فکری کام کا آغاز کر سکے۔ جناب جاوید احمد غامدی اور ان کے تلامذہ کی تحریریں اگر رضوی صاحب کے سامنے ہوں تو انھیں اس بات کو ماننا پڑے گا کہ جاوید صاحب اور ان کے شاگرد دین پر بحث کرتے وقت اور اپنے نتائجِ فکر کو مرتب کرتے وقت ان علوم سے کبھی صرفِ نظر نہیں کرتے۔ وہ اگر ان میں سے کسی چیز کو ترجیح دیتے ہیں تو اپنے فہم و ادراک کے مطابق دلیل ہی کی بنیاد پر دیتے ہیں۔

رضوی صاحب کے مضمون کا تیسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ: ''آصف افتخار حکومت و اقتدار کو جہاد کے لیے شرطِ لازم قرار دیتے ہیں جو کہ ایک مضحکہ خیز بات ہے۔''

اس ضمن میں ہم رضوی صاحب کی اطلاع کے لیے بصد احترام یہ عرض کریں گے کہ یہ آصف افتخار صاحب کی کوئی منفرد رائے نہیں ہے، بلکہ تاریخِ اسلام کے ہر دور میں علماے امت کا اس بات پر کامل اتفاق اور اجماع رہا ہے کہ حدود و تعزیرات کے نفاذ اور جہاد و قتال کا حق صرف اور صرف مسلمانوں کی حکومت کے پاس ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ علماے امت کا یہ اجماع محض اجماع نہیں ہے، بلکہ قرآن و سنت کے واضح نصوص پر مبنی ہے۔ اس کی تفصیلات کے لیے شریعت سے متعلق علماے سلف کی کتب سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔

انسانی جان کا قتل کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ قرآنِ مجید نے بغیر کسی سبب کے انسانی جان کے قتل کو پوری نوعِ انسانی کے قتل کے مترادف قرار دیا ہے اور اسے شرک کے بعد سب سے بڑا جرم قرار دیا ہے۔ قرآن وسنت نے ایک طرف ان دائروں کو متعین کرکے جن میں انسانی جان کی حرمت ختم ہو جاتی ہے، قتل کی گنجایش کو بہت محدود کر دیا ہے اور دوسری طرف قتل کی سزا کے نفاذ کا اختیار نظمِ اجتماعی کو دے کر اس معاملے میں فرد کے اختیار کو بالکل ختم کر دیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ دین جو انسانی جان کے بارے میں اتنا حساس ہے کہ ایک انسان پر قتل کی سزا کے نفاذ کا حق بھی کسی فردِ واحد یا غیر حکومتی گروہ کو نہیں دیتا وہ بھلا لاتعداد انسانوں کے خلاف اقدامِ قتل کا اختیار کسی فردِ واحد یا غیر حکومتی گروہ کو کیسے دے سکتا ہے؟

رضوی صاحب کا چوتھا نکتہ یہ ہے کہ: ''آصف افتخار نے اپنی ساری تحریر میں ریاست کی تعریف تک نہیں کی۔ ریاست تو تعلقات کے اس نظام کو کہتے ہیں جن کی بنیاد جبر کے جائز استعمال پر رکھی گئی ہو ان معنوں میں اسکول سے لے کر تنظیم حکومت تک تعلقات کے جائز جبری پہلو کو ریاست کہیں گے۔ اگر آصف افتخار کی مراد ریاست سے محض حکومت ہے تو ہم ان سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ اس سے ان کی مراد مرکزی حکومت ہے، صوبائی حکومت ہے یا بلدیاتی حکومت؟ ظاہر ہے کہ مصنف جو کہ نظریۂ سیاسی سے بالکل نابلد معلوم ہوتے ہیں ان کے پاس ان سوالات کے کوئی جوابات نہیں ہیں۔''

اگر رضوی صاحب ریاست کے مفہوم سے اتنے ہی ناواقف تھے تو انھیں چاہیے تھا کہ وہ آصف افتخار صاحب کی کتاب پڑھنے سے پہلے ایف۔ اے کی شہریت کی کتاب اٹھاتے اور وہاں سے ریاست کی تعریف پڑھ لیتے۔ کیا کسی مصنف کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنی تحریر میں جب کوئی عمومی لفظ یا اصطلاح استعمال کرے تو لازماً اس کی تعریف بھی کرے؟ اگر رضوی صاحب کا مقدمہ یہی ہے تو پھر انھیں کسی اور کی تحریر پر یہ اعتراض کرنے سے پہلے اپنی تحریر کو اس مقدمے کے مطابق بنانا چاہیے۔ انھوں نے اپنے مضمون میں تہذیب، سیاست، امت، عیسائیت اور اس طرح کے متعدد الفاظ استعمال کیے ہیں، لیکن ان کی تعریف میں ایک لفظ بھی تحریر نہیں کیا۔ اس صورتِ حال میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا دوسروں کے بارے میں نظریہء سیاسی سے نابلد ہونے کا فتویٰ صادر کرنے والوں کو پہلے اپنے آپ پر کامن سینس سے محرومی کا فتویٰ نہیں لگانا چاہیے؟ ہر معمولی پڑھا لکھا آدمی اس بات سے واقف ہے کہ آبادی، علاقے اور حکومت کے مجموعے کو ریاست کہتے ہیں اور اسی کے لیے ہم اپنی زبان میں لفظِ ملک استعمال کرتے ہیں۔ حکومت نظمِ ریاست چلانے والے ادارے کو کہا جاتا

ہے۔ یہ ادارہ ریاست کا نظام بھی چلاتا ہے اور ریاست کی نمائندگی بھی کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ دونوں الفاظ ایک دوسرے کے مترادف کے طور پر بے تکلف بول دیے جاتے ہیں۔ یہ جملہ ہم اکثر بولتے ہیں کہ ''اس بارے میں پاکستان کی پالیسی یہ ہے'' اور اس سے ہماری مراد ریاستِ پاکستان نہیں بلکہ حکومتِ پاکستان ہوتی ہے۔ پھر جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ''اس بات کا فیصلہ ریاست کی سطح پر ہونا چاہیے'' تو کسی شخص کے ذہن میں اس بارے میں ابہام پیدا نہیں ہوتا۔ ہر شخص جانتا ہوتا ہے کہ ریاست کے تمام افراد کی نمائندہ پارلیمنٹ یا مجلسِ شوریٰ ہے، پارلیمنٹ یا مجلسِ شوریٰ کی نمائندہ حکومت ہے اور حکومت کا نمائندہ صدر یا وزیرِ اعظم ہے۔ اس لیے وہ حکومت یا وزیرِ اعظم کے فیصلے کو ریاست کا فیصلہ قرار دینے میں کبھی متردد نہیں ہوتا۔ یہ بحث ہم نے محض یہ واضح کرنے کے لیے کی ہے کہ کسی مضمون میں مسلمات کی تعریف کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ ہمارے پیشِ نظر اگر یہ وضاحت نہ ہوتی تو ہم رضوی صاحب سے فقط یہ درخواست کرتے کہ وہ آصف افتخار کی کتاب کا ایک مرتبہ پھر مطالعہ فرما لیں اور اس مرتبہ ذرا دقتِ نظر سے کام لیں۔ اس کے نتیجے میں ہو سکتا ہے کہ انھیں صفحہ ۵ پر ان الفاظ میں ریاست کی تعریف مل جائے:

"A State is formed when a people establish their government in a geographically independent area over which they have power and authority".

رضوی صاحب کے اعتراضات میں سے پانچواں نکتہ یہ ہے کہ: ''آصف افتخار ہر اس ریاست کو اسلامی ریاست قرار دیتے ہیں جس کے حکمران مسلمان ہیں اور جن کی حکومت باہمی مشاورت (یعنی جمہوریت) کی بنیاد پر قائم ہے۔ مصنف کا شوریٰ کو جمہوریت کا ہم معنی قرار دینا نیز اسلامی ریاست کو ایک دستوری حکومت قرار دینا قرآنی اصطلاحات کی لفظی اور ظاہری تعبیر کے ذریعے سے موجودہ دور کے فتنوں کو جواز دینے کے لیے استعمال کرنے کی ایک بہترین مثال ہے۔''

اگر ایسی ریاست جس کے حکمران مسلمان ہوں، جس کا نظام مسلمانوں کے باہمی مشورے پر مبنی ہو اور جس میں قرآن و سنت کو بالادستی حاصل ہو، اسلامی ریاست نہیں ہے تو پھر وہ کون سی ریاست ہے جسے اسلامی ریاست سے تعبیر کیا جا سکتا ہے؟ جناب آصف افتخار نے نظمِ ریاست کو قرآنِ مجید کی جن آیات کی بنیاد پر بیان کیا ہے، ہمیں امید ہے کہ ان کے مطالعے سے رضوی صاحب کی تشفی ہو جائے گی۔ ارشادِ خداوندی ہے:

''ایمان والو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحبِ امر ہوں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

پھر تمھارے درمیان اگر کسی معاملے میں اختلافِ رائے ہو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو۔‘‘

(النساء۴: ۵۹)

’’اور ان کا نظام ان کے باہمی مشورے پر مبنی ہے۔‘‘(الشوریٰ۴۲: ۳۸)

رضوی صاحب نے کسی دستوری حکومت کو اسلامی حکومت سے تعبیر کرنے کو فتنہ قرار دیا ہے۔ یہ بیان کرتے وقت معلوم نہیں کیوں انھوں نے اس تاریخی حقیقت کو نظر انداز کر دیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں، مدینہ میں قائم ہونے والی سب سے پہلی اسلامی حکومت ایک دستوری حکومت تھی۔ اس کا دستور زبانی بھی نہیں تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے اہتمام کے ساتھ اسے تحریر کرایا تھا۔ اس دستور کو ’’میثاقِ مدینہ‘‘ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور اس میں وہ تمام اہم دفعات موجود ہیں جو کسی بھی جدید ریاست کے دستور کا حصہ ہو سکتی ہیں۔ سیرت اور تاریخ کے محققین اس کو یہی حیثیت دیتے ہیں۔ دورِ حاضر کے ایک محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے اپنی کتاب ’’عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی‘‘ میں اسے ’’دنیا کا پہلا تحریری دستور‘‘ قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

’’ہجرت کر کے مدینہ آتے ہی آنحضرت نے فوراً اپنے عدالتی حقوق و فرائض کا تعین فرما دیا تھا، اور ہماری خوش قسمتی سے یہ دلچسپ اور اہم دستاویز بجنسہٖ اور بلفظہٖ ہم تک نقل ہوتی آئی ہے۔ اسے سب سے پہلی اسلامی مملکت کا دستور اور آئین کہا جا سکتا ہے۔‘‘(ص ۱۵۴)

اس کے بعد یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ اسوۂ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں مسلمانوں کو اپنی ریاست تحریری دستور کی روشنی میں چلانی چاہیے، لیکن یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ کوئی دستوری ریاست اسلامی ریاست نہیں ہو سکتی۔

خود رضوی صاحب نے اسلامی حکومت کی جو تعریف لکھی ہے اس میں بھی انھوں نے غیر ارادی طور پر اسے دستوری حکومت تسلیم کیا ہے۔ لکھتے ہیں: ’’امام ماوردی سے لے کر، امام ابنِ خلدون تک اور پھر شاہ ولی اللہ تک تمام مسلمان فقیہ اس بات پر متفق ہیں کہ اسلامی حکومت وہ ہے جو اسلامی فقہ کو اپنا قانون مانتی ہو۔‘‘ اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ یہ بات فی نفسہٖ ٹھیک ہے یا نہیں، ہم صرف یہ عرض کرنے کی جسارت کریں گے کہ فقہ کی اصطلاح کا اردو مترادف قانون ہے۔ اور جو حکومت کسی قانون کے مطابق چلتی ہو اسے قانونی یا دستوری حکومت کہا جا سکتا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

چھٹا نکتہ وہ تنقید ہے جو انھوں نے خروج کے بارے میں ہمارے نقطۂ نظر پر کی ہے۔ لکھتے ہیں: ''خروج کے بارے میں آصف افتخار کا موقف یہ ہے کہ وہ تب ہی جائز ہے جب اس کو ملک کی اکثریت کی حمایت حاصل ہو حالانکہ ایک جاہل شخص بھی یہ جانتا ہے کہ احکام کے جواز اور عدمِ جواز کا دار و مدار اللہ کی مرضی سے متعین ہوتا ہے، اکثریت کی رائے سے متعین نہیں ہوتا۔''

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ احکام کا جواز اور عدمِ جواز اللہ کی رضا سے قائم ہوتا ہے اور اس سے آگے بڑھ کر ہم یہ بھی کہیں گے اس بات سے انکار ایمان کے منافی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ وہ احکام جن کا تعلق نظمِ اجتماعی سے ہے ان کا نفاذ کون کرے گا؟ کیا اس کا اختیار فردِ واحد کے پاس ہے؟ کیا کوئی گروہ یا جتھا اس کا اختیار رکھتا ہے؟ کیا اس کا اختیار حکومت کے پاس ہے؟ قرآن و سنت کے واضح نصوص کی بنیاد پر امت کے علما کا ہمیشہ اس بات پر اجماع رہا ہے کہ یہ اختیار صرف اور صرف مسلمانوں کے حکمرانوں کے پاس ہے۔ متمدن تاریخِ انسانی میں کبھی کوئی نظمِ اجتماعی اس طرح قائم نہیں ہوا کہ اس میں احکام کے نفاذ کا حق افراد کو ان کی انفرادی حیثیت میں دیا گیا ہو، بلکہ اس طرح کے اقدامات کو تاریخ میں ہمیشہ انارکی ہی سے تعبیر کیا گیا۔ جناب جاوید احمد غامدی کی یہ بات ہو سکتا ہے کہ رضوی صاحب کی الجھن کو سلجھا دے:

''ہم جب کسی معاملے میں اکثریت کی رائے کو فیصلہ کن قرار دیتے ہیں، تو اس کے یہ معنی کبھی نہیں ہوتے کہ جو رائے اختیار کی گئی ہے، وہی حق ہے۔ اس کے معنی صرف یہی ہوتے ہیں کہ نظمِ اجتماعی کو چلانے کے لیے اکثریت کے نقطہء نظر کو بس اس وقت تک کے لیے نافذ مانا گیا ہے، جب تک دوسری رائے کو اکثریت کی تائید حاصل نہیں ہو جاتی۔ یہ نزاعات کے فیصلے کا ایک طریقہ ہے۔ اس کی بنیاد پر کسی چیز کو حق یا باطل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کسی چیز کے بارے میں یہ فیصلہ کہ وہ حق ہے یا باطل، ہمیشہ دلیل و برہان کی بنیاد پر کیا جاتا ہے، اس میں اقلیت یا اکثریت کی رائے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔'' (اشراق، دسمبر ۱۹۸۸، ص ۴۸)

جہاں تک خروج یعنی حکمرانوں کے خلاف بغاوت کا تعلق ہے تو یہ اسی صورت میں جائز ہوتا ہے جب حکمران کسی کھلے کفر کا ارتکاب کریں اور ان کی حکومت ایک آمرانہ حکومت ہو۔ اگر وہ جمہوری حکومت ہو گی تو بغاوت کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ مسلمان اپنی کثرتِ رائے سے اسے تبدیل کر دیں گے۔ دین کے اس اصول کو بیان کرتے ہوئے جناب جاوید احمد غامدی لکھتے ہیں:

''اس (کھلے کفر کے ارتکاب کی) حد کو پہنچ جانے کے بعد بھی حکمرانوں کے خلاف بغاوت کا حق کسی شخص کو

اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا، جب تک مسلمانوں کی واضح اکثریت اس کی تائید میں نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ پھر حکومت کے خلاف نہیں، بلکہ مسلمانوں کے خلاف بغاوت قرار پائے گی جو اسلامی شریعت کی رو سے فساد فی الارض ہے اور جس کی سزا قرآن میں قتل مقرر کی گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''تم کسی شخص کی امارت پر جمع ہو اور کوئی تمھاری جمعیت کو پارہ پارہ کرنے اور تمھارے نظمِ اجتماعی میں تفرقہ پیدا کرنے کے لیے اٹھے تو اسے قتل کر دو۔'' (مسلم، کتاب الامارہ)

جناب علی محمد رضوی کا اگلا نکتہ یہ ہے کہ: ''آصف افتخار جو کچھ لکھتے ہیں اس کے مضمرات سے آگاہ نہیں ہیں یا خدانخواستہ کوئی دریدہ دہن گستاخ ہیں ورنہ یہ جملہ نہ لکھتے کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی قانون کو اپنے ہاتھ میں نہ لیا اور اپنی تیرہ سالہ جدوجہد کے دوران میں قومی قانون سے کبھی تجاوز نہیں کیا۔ جب حضور شارع ہیں تو اس لغو، بے معنی اور گستاخانہ جملے کا کیا مقصد ہے۔ قانون تو حضور کے قول و فعل، عمل اور رضا کا نام ہے۔''

یہ بات کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے کی تیرہ سالہ جدوجہد کو صرف اور صرف دعوت ہی تک محدود رکھا، اور اس دوران میں انھوں نے مکے کے اقتدار کو اپنا ہدف نہیں بنایا، ایک تاریخی حقیقت ہے۔ مشرق و مغرب کے مسلم و غیر مسلم محققین نے کبھی اس سے مختلف بات نہیں کی۔ یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت، حکمت اور بلند کرداری کا بیان ہے۔ ہم مسلمانوں کو پورے فخر کے ساتھ اس بات کو دنیا کے سامنے پیش کرنا چاہیے اور معذرت خواہانہ احساس کے ساتھ اس کی توجیہ کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ اس میں شک نہیں کہ حضور دین کے شارع ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ آپ کے قول و عمل سے قوانین بنتے ہیں۔ مگر ہمارے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل ہی سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دعوت کی جدوجہد کے دوران میں اقتدار کو ہدف نہیں بنانا چاہیے اور اقتدار کے حصول سے پہلے دعوت سے بڑھ کر کوئی اقدام نہیں کرنا چاہیے۔

مرحلۂ دعوت میں قومی قوانین کے خلاف اقدام کرنا بجائے خود ایک قانون ہے، جس کا منبع اور ماخذ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرحلہء دعوت یعنی مکی دور میں قومی قانون کے خلاف اقدام کیا ہوتا تو اس صورت میں یہی قانون بنتا اور مسلمانوں کے لیے اس کی اطاعت لازم ہوتی۔ آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس کے برعکس رائج قانون کو چیلنج نہ کرنے کا طرزِ عمل اختیار کیا۔ چنانچہ مسلمانوں کے لیے اب یہی واجب الاطاعت قانون ہے۔ وہ ہستی جن کی بنیادی دعوت ہی توحید کا احقاق اور

شرک کا ابطال تھی۔ اس نے اپنے پورے زمانۂ دعوت میں ان بتوں کو چھوا تک نہیں جو کعبتہ اللہ جیسے مرکزِ توحید میں شرک و الحاد کا مظہر تھے۔ آپ کے پورے مکی دور میں معاشرہ علی الاعلان قتل و غارت گری، بدکاری، شراب نوشی اور قمار بازی جیسے قبیح جرائم کو اختیار کیے ہوئے تھا۔ یہ سب کچھ آپ کے سامنے ہوتا رہا، آپ نے وعظ کیا، نصیحت کی، قلوب واذہان کو جھنجھوڑا، آخرت کے انجام سے ڈرایا، یہ سب کچھ کیا مگر اس سے آگے بڑھ کر قانون اور حکومت کو چیلنج کرنے کا اقدام ہرگز نہیں کیا۔

رضوی صاحب پر یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ یہ صرف پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا اسوہ نہیں بلکہ تاریخ کے ہر پیغمبر نے اپنے زمانہء دعوت میں یہی طرزِ عمل اختیار کیا۔ سیدنا مسیح علیہ السلام کا وہ لافانی جملہ یقیناً ان کے ذہن میں ہو گا جو انھوں نے قیصر کے وضع کردہ ظالمانہ ٹیکس کے قانون کے بارے میں کہا تھا کہ: ”جو خدا کا ہے وہ خدا کو دے دو اور جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دے دو۔“

تاریخ کے ایک اور جلیل القدر پیغمبر سیدنا یوسف علیہ السلام جب ”عزیزِ مصر“ کے منصب پر متمکن ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بھائی کو ان کی تحویل میں دینے کے لیے انھیں ایسی تدبیر الہام کی کہ بادشاہ کے قانون کے خلاف اقدام کیے بغیر ان کا مقصد حاصل ہو گیا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اس بات کا پورا اہتمام کیا کہ ان کے پیغمبر ملکی قانون کی خلاف ورزی سے محفوظ رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

> ”اس طرح ہم نے یوسف کے لیے تدبیر کی۔ وہ بادشاہ کے قانون کی رو سے اپنے بھائی کو پکڑنے کا مجاز نہ تھا۔“ (یوسف ۱۲: ۷۶)

اس تناظر میں رضوی صاحب کو سنجیدگی سے سوچنا چاہیے کہ کہیں وہ موجودہ زمانے میں دہشت گردی کو جہاد قرار دینے والے بعض لوگوں سے متاثر ہو کر پیغمبر کے قول و عمل سے غلط استدلال کرنے کی روش کا شکار تو نہیں ہو رہے۔

آخر میں اپنی بات کا خلاصہ کرتے ہوئے رضوی صاحب لکھتے ہیں: ”اس کتابچہ کا مجموعی پیغام یہ ہے کہ حکمرانوں کی اطاعت کرو، ان کے خلاف کسی جدوجہد کا حصہ نہ بنو۔ تمام سیکولر ملکی قوانین کی اطاعت کرو کیونکہ (نعوذ باللہ) رسولِ اکرم بھی ملکی قوانین کے پابند تھے۔“

ان کی اس بات میں جہاں تک حکمرانوں کی اطاعت کا تعلق ہے تو اس کے جواب میں ہم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات نقل کرنے پر اکتفا کریں گے:

بخاری میں ہے:

"جسے اپنے امیر کی کوئی بات ناگوار گزرے، اسے صبر کرنا چاہیے، کیونکہ جو ایک بالشت کے برابر بھی اقتدار کی اطاعت سے نکلا اور اسی حالت میں مر گیا، اس کی موت جاہلیت پر ہوئی۔" (کتاب الفتن)

"جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے حکمران کی اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے حکمران کی نافرمانی کی، اس نے میری نافرمانی کی۔" (کتاب الاحکام)

مسلم میں ہے:

"تم پر لازم ہے کہ اپنے اولوالامر کے ساتھ سمع و طاعت کا رویہ اختیار کرو، چاہے تم تنگی میں ہو یا آسانی میں اور چاہے یہ رضا و رغبت کے ساتھ ہو یا بے دلی کے ساتھ اور اس کے باوجود بھی کہ تمھارا حق تمھیں نہ پہنچے۔" (کتاب الامارہ)

"تمھارے بدترین حکمران وہ ہیں جن سے تم نفرت کرو اور وہ تم سے نفرت کریں۔ تم ان پر لعنت کرو اور وہ تم پر لعنت کریں۔ پوچھا گیا، اے اللہ کے رسول، یہ صورت ہو تو کیا ہم ان کے خلاف تلوار نہ اٹھائیں؟ فرمایا: نہیں، جب تک وہ تم میں نماز قائم کرتے رہیں۔" (کتاب الامارہ)

رضوی صاحب نے جو سیکولر ملکی قوانین کی اصطلاح استعمال کی ہے معلوم نہیں اس سے ان کی مراد کیا ہے۔ اگر اس سے مراد وہ قوانین ہیں جن کا تعلق تمدن کے اثرات سے ہوتا ہے، مثلاً ٹریفک کے قوانین، الیکشن اور رائے دہی کے قوانین اور املاک کی خرید و فروخت کے قوانین وغیرہ، تو صاف واضح ہے کہ ان قوانین کا اسلام سے براہِ راست کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ یہ وقت اور حالات کے مطابق وضع کیے جا سکتے اور ان کے تغیر کے ساتھ تبدیل کیے جا سکتے ہیں۔ اور اگر اس سے ان کی مراد خلافِ دین قوانین ہیں تو ہم ان سے گزارش کریں گے کہ وہ ان کی ایک فہرست مرتب کریں اور اہلِ پاکستان کو یہ بتائیں کہ جس دستور اور جن قوانین کو مطابقِ اسلام سمجھ کر وہ مطمئن بیٹھے ہیں، وہ در حقیقت خلافِ اسلام ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ رضوی صاحب اپنی فہرست میں سب سے اوپر سود کی حرمت کا ذکر کریں، مگر یہ بات ان پر واضح رہنی چاہیے کہ ہماری حکومتیں کبھی سود کی حرمت سے انکار کی جرأت نہیں کر سکیں۔ رضوی صاحب سے ہماری درخواست ہے کہ وہ از راہِ عنایت دین کے اس اصول کو سمجھنے کی کوشش فرمائیں کہ اسلام صرف کھلے کفر کی صورت میں مسلمانوں کو اپنے حکمرانوں کے خلاف

بغاوت کی اجازت دیتا ہے۔ مثلاً وہ نظمِ ریاست میں قرآن و سنت کی بالادستی کو ماننے سے انکار کر دیں، مثلاً وہ نماز، روزہ اور حج جیسی عبادات پر پابندی لگا دیں۔ حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بیعت کے لیے بلایا تو ہم نے آپ سے بیعت کی۔ اس میں جن باتوں کا عہد لیا گیا وہ یہ تھیں کہ ہم سنیں گے اور مانیں گے، چاہے یہ رضا اور رغبت کے ساتھ ہو یا بے دلی کے ساتھ اور چاہے ہم تنگی میں ہوں یا آسانی میں اور اس کے باوجود بھی کہ ہمارا حق ہمیں نہ پہنچے اور یہ بھی کہ ہم اپنے اولوالامر سے اقتدار کے معاملے میں کوئی جھگڑا نہ کریں گے۔ آپ نے فرمایا: ہاں، البتہ جب تم کوئی کھلا کفران کی طرف سے دیکھو اور تمھارے پاس اس معاملے میں اللہ کی واضح حجت موجود ہو۔'' (مسلم، کتاب الامارہ)

اس تحریر کے خاتمے پر یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جناب جاوید احمد غامدی کے جہاد اور خروج کے بارے میں نقطۂ نظر کو چند نکات میں بیان کر دیا جائے:

۱۔ قرآنِ مجید کے مطابق جہاد مسلمانوں کی طرف سے اپنے پروردگار کی نصرت ہی کی ایک صورت ہے اور یہ ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔

جناب جاوید احمد غامدی لکھتے ہیں:

''دین کو اپنے فروغ یا اپنی حفاظت کے لیے اگر کسی اقدام کی ضرورت پیش آ جائے تو ایمان کا تقاضا ہے کہ دامے، درمے، سخنے دین کی مدد کی جائے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کے اولوالامر اگر اس مقصد کے لیے کسی وقت جہاد و قتال کا فیصلہ کریں تو ہر بندۂ مومن اپنی جان و مال اس طرح ان کے حوالے کر دے کہ وہ جس محاذ پر اور جس طرح چاہیں اس سے کام لیں۔ قرآن کی اصطلاح میں یہ اللہ پروردگارِ عالم کی ''نصرت'' ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب مدینہ میں اقتدار حاصل ہو جانے کے بعد اس کی ضرورت پیش آئی اور لوگوں سے جہاد و قتال کا مطالبہ کیا گیا تو قرآن نے ایک موقع پر اس کی دعوت اس طرح لوگوں کو دی:

''ایمان والو، آؤ میں تمھیں وہ سودا بتاؤں جو تمھیں ایک دردناک عذاب سے نجات بخشے گا۔ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ گے اور اپنے جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو گے۔ یہ تمھارے لیے بہتر ہے، اگر تم سمجھو۔'' (الصف ۶۱: ۱۰۔ ۱۴)۔'' (دین کا صحیح تصور، ص ۱۱)

۲۔ جہاد کے لیے اقتدار شرطِ لازم ہے۔ حکومت کے بغیر جہاد محض فساد اور اسلامی شریعت کے مطابق جرم ہے۔

اپنی کتاب ''برہان'' میں جناب جاوید احمد غامدی نے یہ بات اس طرح بیان کی ہے:

''شریعت کی رو سے جس طرح کوئی شخص اقتدار و حکومت کے بغیر کسی زانی کو کوڑے نہیں مار سکتا، کسی چور کا ہاتھ نہیں کاٹ سکتا، اسی طرح جہاد و قتال کے لیے بھی اقدام نہیں کر سکتا۔ اس نوعیت کا ہر اقدام شریعت میں جرم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کسی پیغمبر نے اقتدار کے بغیر کبھی جہاد نہیں کیا۔ قرآن اس معاملے میں بالکل واضح ہے کہ عالم کے پروردگار نے ان کو اس کی اجازت اس وقت دی جب انھوں نے ہجرت کر کے اپنی جماعت کسی آزاد علاقے میں منظم کر لی اور ان کا اقتدار اس جماعت پر بزور و قوت قائم ہو گیا۔ اللہ کے یہ پیغمبر اس معاملے میں اس قدر محتاط رہے ہیں کہ انھیں جب تک اقتدار حاصل نہیں ہوا، قتال کا نام بھی ان کی زبان پر کبھی نہیں آیا۔ چنانچہ دیکھ لیجیے، قرآنِ مجید کی وہ سورتیں جو ام القریٰ (مکہ) میں نازل ہوئیں، وہ اس حکم سے بالکل خالی ہیں۔ یہی حقیقت سیدنا موسیٰ اور سیدنا مسیح کی سیرت سے بھی صاف واضح ہوتی ہے۔ اسلام کے نزدیک یہ تصور ہی مضحکہ خیز ہے کہ جو نظامِ امارت اپنے لوگوں پر اللہ کی حدود نافذ کرنے اور ارتکابِ جرم کی صورت میں مجرم کو سزا دینے کا اختیار نہیں رکھتا، اسے قتال کی اجازت دے دی جائے۔'' (برہان ص ۱۹۱)

۳۔ قرآنِ مجید کی رو سے جہاد بالسیف کی دو صورتیں ہیں: ایک اتمامِ حجت کے بعد منکرینِ حق کے خلاف جہاد اور دوسرے ظلم و عدوان کے خلاف جہاد۔ ان میں سے پہلی صورت قرآنِ مجید کی رو سے صحابۂ کرام کے ساتھ خاص تھی اس لیے اب صرف دوسری صورت ہی روبہ عمل ہو سکتی ہے۔

جناب جاوید احمد غامدی نے لکھا ہے:

''جس طرح رسولوں کو اپنی قوم پر اتمامِ حجت کے بعد یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ اسے عذاب کے حوالے کر دیں، اسی طرح صحابہ کو بھی جب وہ رسول کی شہادت کے پس منظر میں اور خیرِ امت بن کر اٹھے تو بحیثیتِ جماعت یہ حق حاصل ہوا کہ وہ روم و ایران کی سرحدوں پر کھڑے ہو کر انھیں اسلام کی دعوت دیں اور اسے قبول نہ کرنے کی صورت میں زیردست بنا کر ان پر جزیہ عائد کر دیں اور انکار کی صورت میں ان کے خلاف جہاد کریں۔ یہ صحابہ کا منصب تھا۔ نبوت جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی، اسی طرح شہادت کا یہ منصب اور اس کے ساتھ منکرینِ حق سے قتال اور ان پر جزیہ عائد کرنے کا یہ حق بھی ان نفوسِ قدسیہ پر ختم ہوا۔'' (اشراق، جولائی ۱۹۹۹، ص ۲۹)

''اس شہادت اور اتمامِ حجت کا نہ بعد کے لوگوں سے کوئی تعلق ہے اور نہ اس پر متفرع ہونے والے جہاد و

قتال کے احکام کسی اور سے متعلق قرار دیے جا سکتے ہیں۔ لہٰذا صحابہ ء کرام کے بعد اب مسلمانوں کے لیے قیامت تک جہاد بالسیف کی ایک ہی صورت باقی رہ گئی ہے، یعنی ظلم وعدوان کے خلاف جہاد۔"

(برہان، ص ۲۲۵)

۴۔ اسلامی شریعت کی رو سے خروج (بغاوت) کبھی واجب نہیں ہوتا، شریعت نے بعض حالات میں اسے مشروط طور پر جائز قرار دیا ہے۔

جناب جاوید احمد غامدی لکھتے ہیں:

"نظامِ ریاست میں اصل مرجعِ اطاعت کی حیثیت صرف اللہ اور اس کے رسول کو حاصل ہے —— اولوالامر کو خواہ وہ ریاست کے سربراہ ہوں یا پارلیمان کے ارکان اپنی طرف سے کوئی فیصلہ کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ اولوالامر کے احکام اس اطاعت کے بعد اور اس کے تحت ہی مانے جا سکتے ہیں —— نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نظم کو 'الجماعہ' اور 'السلطان' سے تعبیر کیا ہے اور اس کے بارے میں ہر مسلمان کو پابند کیا ہے کہ اس سے کسی حال میں الگ نہ ہو۔ یہاں تک کہ اس سے نکلنے کو آپ نے اسلام سے نکلنے کے مترادف قرار دیا اور فرمایا کہ کوئی مسلمان اگر اس سے الگ ہو کر مرا تو جاہلیت کی موت مرے گا۔" (اشراق، جنوری ۲۰۰۰، ص ۲۴)

"اولوالامر کی یہ اطاعت اسی وقت تک ہے، جب تک وہ مسلمان رہیں (اور یہ تسلیم کرتے رہیں کہ نظامِ ریاست میں اصل مرجعِ اطاعت کی حیثیت اللہ اور اس کے رسول کو حاصل ہے)۔ اس کی آخری حد وہی ہے جس کا نمونہ خلفاے راشدین نے پیش کیا کہ ریاست کے نظام میں شریعت کی بالادستی اس طرح تسلیم کی جائے کہ اس کے سامنے حکمرانوں کے سر ہی نہیں، دل بھی جھکے ہوئے محسوس ہوں اور حکومت اس احساسِ ذمہ داری کے ساتھ کی جائے کہ حکمران گویا خدا کو ہر وقت اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے ہیں، لیکن اس سے نیچے وہ جگہ جہاں پہنچ جانے کے بعد ان کی اطاعت سے انحراف اور انھیں تبدیل کر دینے کی جدوجہد مسلمانوں کے لیے جائز ہو جاتی ہے، (سورۂ نساء کی آیت ۵۹ میں درج 'منکم' کی شرط کے مطابق) یہی ہو سکتی ہے کہ وہ کھلے کفر کے مرتکب ہو جائیں۔" (اشراق، جنوری ۲۰۰۰، ص ۲۶)

"(چنانچہ اس کو شامل کر کے) خروج کی تین لازمی شرطیں ہیں جو شریعت کا تقاضا ہیں:

اول یہ کہ حکمران کھلے کفر کا ارتکاب کریں۔

دوم یہ کہ ان کی حکومت ایک استبدادی حکومت ہو جو نہ مسلمانوں کی رائے سے قائم ہوئی ہو اور نہ ان کی

رائے سے اسے تبدیل کر دینا کسی شخص کے لیے ممکن ہو۔

سوم یہ کہ خروج کے لیے وہ شخص اٹھے جس کے بارے میں یہ بات پورے اطمینان کے ساتھ کہی جا سکے کہ قوم کی واضح اکثریت اس کے ساتھ اور پہلے سے قائم کسی حکومت کے مقابلے میں اس کی قیادت تسلیم کرنے کے لیے بالکل تیار ہے۔" (برہان، ص ۱۹۴)

"(اس سلسلے) میں یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ یہ بغاوت اگر مسلح بغاوت ہو تو اس کی ایک لازمی شرط یہ بھی ہے کہ بغاوت کرنے والے پہلے کسی آزاد علاقے میں جا کر اپنی حکومت قائم کریں۔"

(اشراق، جنوری ۲۰۰۰، ص ۲۸)

جہاد اور خروج کے بارے میں یہ جناب جاوید احمد غامدی کا نقطۂ نظر ہے۔ اس کے لیے انھوں نے قرآن و سنت کی بنیاد پر جو دلائل دیے ہیں وہ ان کی تحریروں میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جاوید احمد غامدی / منظور الحسن

جاوید احمد صاحب غامدی کے درسِ قرآن و
حدیث کے بعد پوچھے گئے سوالات سے انتخاب

ٹیلی وژن کے مضر اثرات

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.org

سوال: اب جبکہ ٹیلی وژن ہر گھر کا لازمی حصہ بن گیا ہے تو گھریلو خواتین کو اس کے مضر اثرات سے کیسے بچایا جاسکتا ہے؟

جواب: تمدن کے ارتقا کے نتیجے میں ٹیلی وژن نے جو سماجی اور معاشرتی حیثیت حاصل کر لی ہے، اس کے بعد اسے گھر سے نکالنا ناممکن ہو گیا ہے۔ اس طرح کی کوشش خطرناک نتائج پیدا کر سکتی ہے۔ اس صورتِ حال میں ہر شخص کو دو کام کرنے چاہییں: ایک یہ کہ وہ جب بھی موقع پائے کارپرداز لوگوں کو اس کے مضر اثرات سے آگاہ کرے۔ اور دوسرے یہ کہ وہ اپنے اہلِ خانہ کے اندر خیر و شر کا شعور پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ وہ ان کے دلوں میں جنت کی طلب پیدا کرے۔ انھیں سمجھائے کہ نفس کی یہ معمولی سی آلایش وہاں کتنے بڑے خسارے کا باعث بن جائے گی۔ آخرت کے صحیح شعور کو جب آپ اپنے اہلِ خانہ کے اندر اجاگر کر دیں گے تو یہ چیزیں آپ سے آپ بے معنی ہوتی چلی جائیں گی۔

ڈس انٹینا پر پابندی

سوال: ڈش انٹینا کے ذریعے سے عریانی اور فحاشی کی وبا تیزی سے پھیل رہی ہے۔ اس صورتِ

حال میں کیا اس پر پابندی نہیں لگنی چاہیے؟

جواب: موجودہ زمانے میں سائنس نے جو غیر معمولی ترقی کر لی ہے اس کے بعد اب اس طرح کی چیزوں پر پابندی لگانا عملی طور پر ممکن نہیں رہا۔ آپ ایک دروازہ بند کریں گے تو کوئی چور دروازے کھل جائیں گے۔ اس لیے ہمیں اس طرح کی ایجادات سے گریز کے راستے تلاش کرنے کے بجائے اس بات کو ہدف بنا لینا چاہیے کہ ہم انھیں زیادہ سے زیادہ دینی مقاصد کے لیے استعمال کریں۔ میڈیا کی قوت کے ذریعے سے ہمیں دین کے پیغام کو دنیا تک پہنچانے کی جدوجہد کرنی چاہیے۔

ڈش انٹینا کا تعلیمی مقاصد کے لیے استعمال

سوال: کیا ڈش انٹینا کو تعلیمی اور معلوماتی مقاصد کے لیے لگایا جا سکتا ہے؟

جواب: اگر آپ اس پر کنٹرول کر سکیں اور گھریلو ماحول کو اس کے مفاسد سے محفوظ رکھ سکیں تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ بلاشبہ اس پر ایسے چینل موجود ہیں کہ اگر لوگ ان کا اچھا ذوق پیدا کر لیں تو وہ اس میڈیا کی دوسری غلاظتوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ جیسے ڈسکوری اور نیشنل جغرافیہ کے چینل ہیں، جنھیں دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ کیا کیا قدرتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں کارفرما کر رکھی ہیں، کیسی کیسی مخلوقات ہیں جو اس نے تخلیق کر رکھی ہیں، کیا کیا رعنائیاں ہیں جو اس نے کائنات میں بکھیر رکھی ہیں۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

صحیح مسالک

سوال: دین کے اعتبار سے کون کون سے مسالک صحیح ہیں؟

جواب: دین کے بارے میں جو مسالک، مکاتبِ فکر یا نقطہ ہاے نظر اس وقت موجود ہیں انھیں انسانوں ہی نے اپنے فہم کی روشنی میں قائم کیا ہے۔ ان میں سے کسی مکتبِ فکر کی ضروری نہیں کہ ہر بات صحیح ہو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر بات غلط ہو۔ علم و فکر کے اعتبار سے کسی بھی انسانی کاوش کو بالکلیہ صحیح نہیں کہا جا سکتا۔ میں جو دین آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں اس کے بارے میں یہ دعویٰ ہرگز نہیں کر سکتا کہ یہ سارے کا سارا لازماً صحیح ہو گا۔ میری اپنی تاریخ مجھے بتاتی ہے کہ میں نے اپنی قائم کی ہوئی بہت سی آرا سے رجوع کیا ہے۔ اب سے پہلے کسی رائے کو میں اپنے علم و عقل کے مطابق صحیح سمجھتا تھا اور پورے یقین کے ساتھ اس کو بیان کرتا تھا، آج

میں اپنے علم و عقل کی روشنی میں اس رائے کو غلط سمجھتا ہوں۔ میرے ایمان و یقین کا معاملہ اصل میں میرے فہم کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس معاملے میں صحیح رویہ یہی ہے کہ ہمیں ہر وقت اپنے دل و دماغ کو کھلا رکھنا چاہیے اور اپنی رائے کے تعصب میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ چنانچہ مکاتبِ فکر کے بارے یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ فلاں مکتبِ فکر حقیقت کے زیادہ قریب ہے لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں مکتبِ فکر سرتاسر حق ہے۔ حق کی حتمی حجت کی حیثیت صرف اور صرف اللہ کے پیغمبر کی بات کو حاصل ہے۔ اس کو معیار بنا کر آپ کسی بات کے رد یا قبول کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔

کسی کو کافر قرار دینا

سوال: کیا اسلامی شریعت کے مطابق ہم کسی کو کافر قرار دے سکتے ہیں؟

جواب: اسلامی شریعت کے مطابق کسی شخص کو کافر قرار نہیں دیا جا سکتا، حتیٰ کہ کوئی اسلامی ریاست بھی کسی کی تکفیر کا حق نہیں رکھتی۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتی ہے کہ اسلام سے واضح انحراف کی صورت میں کسی شخص یا گروہ کو غیر مسلم قرار دے دے، کافر قرار دینے کا حق اس کو بھی نہیں ہے۔ دین کی اصطلاح میں کافر قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص پر اللہ کی حجت پوری ہو گئی ہے اور یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ اس نے ضد، عناد اور ہٹ دھرمی کی بنیاد پر دین کا انکار کیا ہے۔ دین کی کامل وضاحت جس میں غلطی کا کوئی شائبہ نہ ہو، صرف اللہ کا پیغمبر اور ان کے تربیت یافتہ صحابہ ہی کر سکتے تھے۔ اس وجہ سے اتمامِ حجت کے بعد تکفیر کا حق دین نے انھی کو دیا ہے۔ ان کے بعد دین کی کامل وضاحت چونکہ کسی فرد یا اجتماع کے بس کی بات نہیں ہے، اس لیے اب تکفیر کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا ہے۔ ہم لوگوں کو اب اس کی جسارت بھی نہیں کرنی چاہیے۔ اگر ہم کسی کے عقیدے کو باطل یا کفر سمجھتے ہیں تو ہمیں پوری دردمندی کے ساتھ اسے نصیحت کرنی چاہیے اور دلائل اور حکمت کے ساتھ اس کی غلطی واضح کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس سے زیادہ ہماری کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

خورشید ندیم

”مسائلِ نظری میں الجھ گیا ہے خطیب“

کیا مذہب پاکستان کا بنیادی مسئلہ ہے؟ یہ سوال اس ملک میں بارہا بحث کا موضوع بنا۔ توہینِ رسالت ایکٹ کے حوالے سے اٹھنے والی احتجاجی لہر نے اس معاملے کو ایک مرتبہ پھر زندہ مسئلہ بنادیا ہے۔ حکومت نے قدرے تامل کے بعد اہلِ مذہب کا مطالبہ تسلیم کر لیا ہے لیکن وہ اس پر مطمئن نہیں ان کا کہنا ہے کہ ابھی بہت سے مطالبات باقی ہیں، اس لیے احتجاج کا یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ ان کے دیگر مطالبات کا اسلام سے کتنا تعلق ہے، اس پر کچھ عرض کرنے سے پہلے، میں اس سوال کے ضمن میں کچھ کہنا چاہتا ہوں جو اس تحریر کی ابتدا میں اٹھایا گیا ہے۔

ایک ریاست کا نظری تشخص، میرے نزدیک دو مراحل پر زیرِ بحث آنا چاہیے۔ ایک اس وقت جب وہ تشکیل کے مرحلے میں ہو یا پھر اس وقت جب مروجہ مفہوم میں ایک ریاست وجود میں آچکی ہو۔ ان دونوں مراحل پر فیصلہ کن کردار ان عوامل کا ہوتا ہے جو اس وقت مصروفِ عمل ہوتے ہیں اور جنھیں ہم زمینی حقائق کہتے ہیں۔ جب تحریکِ پاکستان برپا ہوئی تو اس وقت ناگریز تھا کہ مطلوبہ ریاست کے نظری تشخص پر بات کی جاتی۔ اس کے علاوہ تقسیمِ ہند کی کوئی توجیہ ممکن نہیں تھی۔ مسلمانوں کے لیے الگ وطن کا مطالبہ اسی وقت منطقی قرار پاتا ہے جب یہ ثابت ہو جائے کہ وہ ہندوؤں کے ساتھ مل کر کوئی اجتماعی نظام ترتیب نہیں دے سکتے۔ گاندھی جی کی ذہانت، مولانا ابوالکلام آزاد کی علمی وجاہت اور مولانا حسین احمد مدنی کا مذہبی اثر، اگر کسی منطق کے سامنے اعترافِ عجز کرتے دکھائی دیتے ہیں تو وہ دو قومی نظریہ ہے۔ اس کے علاوہ پاکستان کے الگ وجود کے حق میں جو بھی دلائل دیے گئے، ابوالکلام کے علمِ کلام نے ان کے تاروپود بکھیر دیے ہیں۔ کوئی چاہے تو آج بھی

مولانا آزاد کے ان مضامین اور تقاریر کا مطالعہ کر سکتا ہے جو اس عہد کے لٹریچر کا ایک ناگزیر حصہ ہیں۔ انھوں نے پاکستان کے بارے میں جو پیشین گوئیاں کیں۔ وقت نے بڑی حد تک ان کی بھی تصدیق کر دی ہے۔ نظری تشخص کا مسئلہ اس وقت بھی زیرِ بحث آیا جب قیامِ پاکستان کے فوراً بعد دستور کی تشکیل کا معاملہ در پیش تھا۔ اس مسئلے کو قراردادِ مقاصد کی صورت میں حل کر دیا گیا۔ یہ چونکہ پاکستان کے تشکیلی مراحل تھے، اس لیے اس وقت نظری تشخص کا معاملہ بنیادی اہمیت کا حامل تھا۔

ایک ریاست اسلامی ہو یا غیر اسلامی، اس سے قطع نظر، اپنا وجود باقی رکھنے اور اسے مستحکم بنانے کے لیے وہ کچھ اقدامات کرنے کی پابند ہے۔ مثلاً اس نے اپنی جغرافی وحدت کی حفاظت کرنی ہے۔ اسے اپنی حدود میں بسنے والوں کے جان و مال کا تحفظ کرنا ہے۔ اس نے اپنے افرادی اور قدرتی وسائل کو دریافت کرنا اور بہتر طور پر استعمال میں لانا ہے۔ اس نے شہریوں میں قرب کو بڑھانا اور نسلی، لسانی اور گروہی فاصلوں کو مٹانا ہے۔ اسے ریاست کی سطح پر ایک اجتماعی عصبیت کو فروغ دینا ہے۔ اسے اپنی معیشت کو مضبوط بنیادیں بھی فراہم کرنا ہیں۔ پاکستان ایک سیکولر ملک ہوتا یا اسلامی، یہاں یہ سب کام ہونے چاہییں تھے لیکن ہم ان میں سے کوئی کام بھی ڈھنگ سے نہیں کر سکے۔ ہم اپنی جغرافی وحدت کا تحفظ نہیں کر سکے۔ اس کی دلیل بنگلہ دیش کی صورت میں موجود ہے۔ ہم شہریوں کی جان و مال کو محفوظ نہیں بنا سکے۔ اس کے لیے تو کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ ہم اپنے وسائل کو احسن طریقے سے استعمال نہیں کر سکے۔ لاکھوں باصلاحیت لیکن بے روزگار نوجوانوں اور قدرتی وسائل سے مالا مال غیر دریافت شدہ (Undiscoverd) لامحدود علاقہ ہمارا منہ تک رہے ہیں۔ قومی تشخص بے حد مجروح ہو چکا ہے۔ جہاں تک معیشت کا تعلق ہے تو ہم عالمی مالیاتی اداروں کا قرض اتارنے کے لیے ان سے مزید قرض لینے پر مجبور ہیں۔ جس معاشرے کو یہ سب مسائل در پیش ہوں اور جو نصف صدی گزر جانے کے بعد ان کو حل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے وہاں جمعہ کی چھٹی جیسے مسائل اٹھانا دلیل کم نظری کے سوا کچھ نہیں۔ آج ضرورت ہے کہ پوری قوم مل کر پہلے پاکستان کو ایک ریاست بنائے۔ اس کے بعد یہ فیصلہ بھی ہو جائے گا کہ اسے عملاً ایک اسلامی ریاست کیسے بنایا جائے۔ جس ملک میں سرے سے کسی معیشت کا وجود ہی نہ ہو وہاں پہلے ایک معیشت وجود میں آئے گی پھر یہ طے ہو گا کہ اسے سودی ہونا چاہیے یا غیر سودی۔

اہلِ مذہب نے آج جن مطالبات کی بنیاد پر احتجاجی تحریک اٹھائی ہے ان میں سے کوئی مطالبہ ایسا نہیں جس کا تعلق تعمیرِ قوم یا موجودہ حالات سے ہو یا جن کی کوئی عملی افادیت ہو۔ جمعہ کی چھٹی یا مخلوط انتخابات جیسے مسائل،

سب انتظامی معاملات ہیں۔ ان کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں، انھیں مذہبی رنگ دینا مذہب کا سوءِ استعمال ہے۔

آج قوم کو احتجاج کی نہیں ہمہ جہتی تعمیر کی ضرورت ہے۔ اہلِ مذہب کی ذمہ داری ہے کہ وہ قوم کی اخلاقی تربیت کریں۔ فسادِ اخلاق میں مبتلا کسی معاشرے میں خیر کا کوئی بیج برگ و بار نہیں لا سکتا۔ ہڑتال، جلوس، احتجاج یہ سب سیاست کے مظاہر ہیں، اہلِ مذہب کی لغت میں تو ان الفاظ کا گزر نہیں ہونا چاہیے۔ انھیں ''انذار'' کی ذمہ داری سونپی گئی ہے اور داعی کے منصب پر بٹھایا گیا ہے۔ آج مذہب اس ملک کا بنیادی مسئلہ نہیں ہے۔ اصل مسئلہ استحکام ہے —— سیاسی اور معاشی استحکام۔ لوگ مسائل کی چکی میں پس رہے ہیں۔ ان کے لیے نظری بحثیں اپنی کشش کھو چکی ہیں۔ غربت کے ہاتھوں شکست کھا کر موت قبول کرنے والوں کو مردار قرار دینے سے زیادہ، اسبابِ شکست کا تدارک ضروری ہے —— مخلوط انتخابات، جمعہ کی چھٹی —— اگر اہلِ مذہب انھی میں الجھے رہے تو میں وہی عرض کر سکتا ہوں جو اقبال نے برسوں پہلے کہہ دیا تھا:

میں جانتا ہوں جماعت کا حشر کیا ہو گا
مسائلِ نظری میں الجھ گیا ہے خطیب

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

خیال و خامہ

جاوید

ندیم

خوشا یہ وقت کہ پھولوں نے پیرہن بدلا
چمن میں ماہ سے اتری ہے رات کی مہماں
مری نگاہ کتابوں کے ڈھیر سے اٹھی
کہ اِس ہجومِ خموشاں میں کچھ نہیں پنہاں

مریے ندیم ، کئی بار آخر شب میں
مرے چراغ کی لو میں بنی تری تصویر
کنارِ آب چناروں میں ڈوب کر ابھری
خیالِ خواب میں خوابِ خیال کی تعبیر

ندیمِ شوق، اِدھر نہ برس سے شام و سحر
رہِ حیات میں کانٹوں کی جستجو میں ہوں
تو اِس سفر کے منازل سے بے خبر تو نہیں
ترے سوا میں زمانے میں کس سے عرض کروں

---

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

یہ دور اہل محبت کو سازگار نہیں
ترا خیال بھی اب تو وفا شعار نہیں

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com